بانی : حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

مدیر : خالد سیف اللہ رحمانی

سہ ماہی مجلہ بحث ونظر حیدرآباد

شمارہ نمبر : ۱۱۱/۱۱	جنوری — مارچ ۲۰۱۸ء	ربیع الثانی — جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ

زرِ تعاون

اندرون ملک

ایک شمارہ:40روپے

سالانہ:150،بذریعہ رجسٹری:200

سہ سالہ:450،بذریعہ رجسٹری:550

بیرونِ ملک

ایشیائی ممالک کیلئے سالانہ:20امریکی ڈالر

یورپ،امریکہ،افریقہ کے لئے :

سالانہ:30امریکی ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Khalid Saifullah Rahmani, Baitul Hamd, H.No:16-182/1, Quba Colony, Po:Pahadi Shareef, Hyd. A.P 500005, Ph: 9989709240 E-mail: ksrahmani@yahoo.com

چیک/ڈرافٹ پر صرف:"Khalid Saifullah" لکھیں

کمپیوٹر کتابت: محمد نصیر عالم سبیلی "العالم" اُردو کمپیوٹرس، حیدرآباد، فون نمبر: 9959897621 91+

فہرست مضامین

● ● ●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

اس ملک میں مسلمان بالکل ابتدائی دور سے آباد ہیں ،بعض تاریخی روایات کے مطابق عہد نبوت میں ہی یہاں اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی ، ہندوستان کے مغربی جانب سے اس ملک میں عرب فاتحین داخل ہوئے ، ان کی یہ آمد یہاں کے مظلوموں کی دعوت پر ہوئی اورانھوں نے طبقاتی نظام میں پسے ہوئے یہاں کے مظلوموں کوظلم سے نجات دلائی ، پھرمختلف عجمی مزاج خاندانوں کی حکومتیں قائم اورختم ہوتی رہیں ، اگر چہ ان کے درمیان آپس میں سیاسی جنگیں ہوئیں اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے بھی تصادم کی نوبت آتی رہی ؛لیکن ایک بات کا ہمیشہ خیال رکھا گیا کہ ملک میں بسنے والے تمام لوگ اپنے مذہب پرعمل کرنے میں آزادرہیں اوراپنی پہچان وشناخت کے ساتھ زندگی گزاریں۔

جب ملک آزادہوا تو دستورِ ہند میں اس کوملحوظ رکھا گیااور ملک کے ہرشہری کواپنے عقیدہ اورطور وطریق کے مطابق عمل کی آزادی دی گئی ؛لیکن افسوس کہ ہندوستان میں آزادی کے بعد ہی سے یہ کوشش کی جانے لگی کہ مختلف مذہبی اکائیوں کواپنے اندرجذب کرلیا جائے ،سکھ، لنگایت ، دلت ، یہ سب وہ لوگ تھے ، جواُس وقت بھی اپنے ہندو شمار کئے جانے کے مخالف تھے اورآج بھی مخالف ہیں ؛لیکن مسلمانوں ،عیسائیوں اور پارسیوں کے علاوہ سبھوں کو ہندوقرار دے دیا گیا ، یہ ایک بہت بڑا جھوٹ اور دھوکہ تھا ،جس کی آج تک تصحیح نہیں ہوسکی ؛تہذیبی انضمام کے اسی عمل کا ایک حصہ یہ ہے کہ اقلیتوں کوان کے مذہبی اورتہذیبی تشخص سے بے گانہ کردیا جائے ، برہمنوں کی اس کوشش میں اگرکوئی قوم سب سے بڑی رکاوٹ ہے تو وہ مسلمان ہیں ؛ کیوں کہ مسلمان اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ان کی شریعت زندگی کے تمام مسائل کے لئے ہے ،اورایسا نہیں ہے کہ مسلمان عبادت توکریں اللہ اوراس کے رسول کے حکم کے مطابق ،اورزندگی کے دوسرے مسائل میں اپنی خواہش پرچلیں ، یا دنیا کے کسی اورقانون کواپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں ؛ چنانچہ مسلمانوں کے شرعی قوانین میں تبدیلی کی کوششوں کا اشارہ اسی وقت دے دیا گیا تھا ،جب ۱۹۵۵ء میں ہندومیرتج ایکٹ بنا ، پھر ۱۹۷۲ء میں متبنیٰ بل پیش ہوا ،جس سے مسلمانوں کا استثناء نہیں کیا گیا تھا ،اسی پس منظرمیں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا ، بدقسمتی سے فرقہ پرست عناصر کی طرف سے مستقل یہ کوشش

جاری ہے اور برسراقتدار پارٹی نے تو باضابطہ ''کامن سول کوڈ'' کو اپنے مینی فیسٹو کا حصہ بنادیا، تین طلاق سے متعلق جو قانون لوک سبھا سے پاس ہوا، وہ اسی سلسلے کی نامسعود کوشش ہے۔

ان حالات کا حل یہی ہے کہ مسلمان ایک طرف اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور اپنے آپ پر خود اپنی مرضی سے شریعت کو نافذ کریں؛ تاکہ دوسروں کو اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کے مذہبی تشخص کے خلاف زبان کھولنے کا موقع نہ ملے، دوسری طرف ملک کی دوسری اقلیتوں، پست اقوام اور جمہوریت پسند افراد کو صحیح صورتِ حال سمجھائی جائے، ان کو قریب کیا جائے اور مظلوموں کا اتحاد ترتیب دیا جائے، اسی حکمت عملی کے ذریعہ ہم اس ملک میں اپنے مذہبی تشخصات کی حفاظت کرسکتے ہیں۔

بحمد اللہ سہ ماہی ''مجلہ بحث ونظر'' کا یہ شمارہ اپنے مقررہ وقت کے مطابق نکل رہا ہے، یہ جیسا کچھ بھی ہے، قارئین کے سامنے ہے، ان کے مشورے اس علمی وفقہی جریدہ کو بہتر بنانے میں ممد ومعاون ہوں گے، اس لئے قارئین سے مشورہ کی بھی درخواست ہے اور دُعا کی بھی۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(بیت الحمد، شاہین نگر، حیدرآباد)

۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ
۱۶؍فروری ۲۰۱۸ء

● ● ●

بچوں کی جبلیں اور ان کے مسائل

مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی ☆

اسلام کا خدائی اور آفاقی نظام بنیادی طور پر انسانی سماج میں ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کا داعی ہے جو صالح، پاکیزہ اور صاف ستھرا ہو، امن وسکون، عدل وانصاف جس کی روح ہو، ظلم وستم، قتل وغارت، لوٹ مار اور عزت وناموس پر حملہ کرنے کی کسی کو اجازت ہو نہ جسارت۔

اس کے باوجود معاشرہ میں کچھ ایسے افراد ہوتے ہیں جو طبعی خباثت، ذہنی فساد یا آزاد خیالی اور شیطانی تحریض کے نتیجے میں سماج کے امن وامان کو متاثر کرتے ہیں اور فتنہ وفساد اور معصیت وبرائی کو فروغ دینے کی انفرادی یا اجتماعی کوششیں کرتے ہیں۔

ایسے غیر سماجی عناصر اور انجام سے بے خبر شیطانی نمائندوں کا اثر بسااوقات نیک طبیعت یا سادہ لوح حضرات اور کبھی معصوم بچوں پر بھی پڑتا ہے، اس لئے اسلام ایسے بداثرات اور بُرے نتائج پر کنٹرول کرنے اور معاشرتی ڈھانچے کے تحفظ کے لئے برائی کے وجود میں آنے سے قبل یا ابتدائی مرحلہ میں اس کے سدباب کے لئے نجی سطح پر ممکنہ قوت کے استعمال کا حکم دیتا ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے :

> من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الايمان ۔ (۱)
>
> جو شخص تم میں سے کوئی برائی دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اسے تبدیل کردے، اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمتر درجہ ہے۔

روک تھام کی یہ کوشش ہر مسلمان کا حق ہے؛ لیکن یہ اسی وقت تک ممکن ہے جب کوئی شخص معصیت میں

☆ استاذ: جامعہ انوار الہدیٰ، گلشن باغ، حیدرآباد۔

(۱) رواہ مسلم، باب کون النھی عن المنکر من الایمان، حدیث نمبر: ۷۸۔

مبتلا نہ ہو اور اگر معصیت کا ارتکاب کر چکا تو اب تعزیر اور نفاذ سزا کا حق امیر و حاکم یا قاضی کو ہے، صاحبِ درمختار لکھتے ہیں :

ویقیمه کل مسلم حال مباشرة المعصیة و اما بعده فلیس ذلک بغیر الحاکم ۔ (۱)

اور ہر مسلمان معصیت کے ہونے تک روک تھام کرے، پھر بھی اگر معصیت ہو جائے تو بغیر حاکم کے سزا کا نفاذ نہیں ہوگا۔

جرائم اور سدباب

جرائم کا انسداد اور معاشرہ کو مجرمانہ سرگرمیوں سے پاک رکھنے کے لئے شریعت مطہرہ نے انتہائی مضبوط و مستحکم نظام بنایا ہے اور جرائم کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے، پہلے درجہ میں وہ جرائم ہیں جو معاشرہ کے لئے انتہائی خطرناک اور حد درجہ نقصان دہ ہیں، جیسے قتل، سرقہ، زنا وغیرہ، ان کے ثبوت کی صورت میں ان کی سزائیں بھی کافی سنگین اور عبرت ناک ہیں اور شریعت نے انھیں متعین بھی کیا ہے، ایسی سزائیں حدود و قصاص کہلاتی ہیں۔

دوسرے درجہ میں وہ جرائم ہیں، جو نسبتاً کم سنگین ہیں اور مجرم، جرم کی نوعیت، مقام جرم، حالات اور زمانہ کے فرق سے ان کی سنگینی کم زیادہ ہو سکتی ہے، اسی لئے شریعتِ اسلامی نے ان کی سزائیں متعین نہیں کی ہیں؛ بلکہ امراء اور قانون نافذ کرنے والے حکام کی صواب دید اور مصلحت پر چھوڑ دیا ہے، اس طرح کی سزائیں تعزیر کہلاتی ہیں، صاحبِ تاتارخانیہ لکھتے ہیں: والتعزیر مفوض الی رأی الامام، (۲) ''تعزیر امام کی رائے کے سپرد ہے''۔

بچوں کی تعزیر

کہتے ہیں کہ بچے بڑوں سے سیکھتے ہیں اور بڑے چھوٹوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، معاشرہ میں بے دینی حیاسوز ماحول، اسلامی کلچر سے دوری اور ٹی وی، انٹرنیٹ کے راستے مغربی تہذیب کی یلغار کے نتیجے میں اور برائی کے اسباب و محرکات کی فراوانی اور تربیت کے فقدان کی وجہ سے جرائم کی دنیا میں اب بچے بھی بڑوں کے شانہ بشانہ آگے بڑھ رہے ہیں، جن جرائم کو سن کر بچے کبھی خوف زدہ ہو جایا کرتے تھے، آج وہ ان کا محبوب مشغلہ اور روزمرہ کے شوق بن گئے ہیں، ہندوستان اور سارے عالم میں پیش آنے والے سنگین واقعات اس کے پختہ ثبوت ہیں،

---

(۱) درمختار مع ردالمحتار: ۶/۱۱۱۔

(۲) تاتارخانیہ: ۳/۱۴۱۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اگر بچے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، تو ان کی تعزیر کی جاسکتی ہے، مگر حدود وقصاص کا نفاذ ان پر نہیں ہوسکتا ہے، صاحبِ تاتارخانیہ حدود وقصاص اور تعزیر کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

والثالث ان الحد لا یجب علی الصبی والتعزیر یشرع علیه ۔ (۱)

اور تیسرا فرق یہ ہے کہ حد کا موجب بچہ نہیں ہے اور تعزیری سزا اس کے لئے مشروع قرار دی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ نماز کے بشمول دیگر عبادات کا حکم سات سال کی عمر میں بچوں کو دیا جائے گا اور دس سال میں ہلکی مار سے تنبیہ بھی کی جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

علموا الصبی الصلاۃ ابن سبع واضروہ علیها ابن عشر ۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ''وفرقوا بینهم فی المضاجع'' اور مذکورہ بالا حدیث کا مفہوم وسیع تر معنی میں یہ بیان کیا ہے کہ بچوں کو جمیع مامورات کا حکم دیا جائے گا اور تمام منہیات سے روکا بھی جائے گا؛ تاکہ خیر کی عادت پڑے اور شر سے نفرت کے جذبات پروان چڑھیں، علامہ شامیؒ کے الفاظ ہیں :

مرادہ من هذین النقلین بیان ان الصبی ینبغی ان یومر بجمیع المأمورات وینهی عن جمیع المنهیات ، وفی حظر الاختیار انه یومر بالصوم والصلاۃ وینهی عن شرب الخمر لیألف الخیر ویترک الشر ۔ (۲)

تعزیر کی اصل تادیب ہے

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :

هو لغة التادیب مطلقاً و شرعاً تادیب دون حد ۔ (۳)

یعنی تعزیر کا مقصود اصلی مجرم کی فتنہ پردازیوں پر قدغن لگانا، مجرم کی اصلاح وتربیت اور عوام الناس کو اس کی شر انگیزیوں سے بچانا ہے۔

لہٰذا جرم اگر اس قبیل سے ہو کہ اس کی سزا شریعت میں منصوص ومتعین نہ ہو، یا منصوص تو ہو؛ لیکن مطلوبہ ثبوت

(۱) تاتارخانیہ: ۵/ ۸۱۳۔

(۲) ردالمحتار: ۲/ ۵۔

(۳) ردالمحتار: ۳/ ۱۰۳۔

فراہم نہ ہونے یا کسی خارجی عارض اور مانع کی وجہ سے مجرم پر اس سزا کا نفاذ نہ ہوسکتا ہو، مثلاً مجرم نابالغ ہوتو ایسی صورت میں مجرم کو جرم کے حساب سے تعزیری سزا دی جاسکتی ہے، صاحبِ تاتارخانیہ لکھتے ہیں :

وینبغی ان ینظر القاضی فی سببه فان کان من جنس ما یجب به الحد ولم یجب بعارض یبلغ التعزیر أقصی غایاته ... وان کان من جنس مالا یجب به الحد حتی وجب التعزیر فالتعزیر مفوض الی رأی الامام ۔ (۱)

اور مناسب ہے کہ قاضی غور کرے اس کے اسباب پر اگر وہ فعل ایسے اعمال کی جنس سے ہو، جس کی وجہ سے حد واجب ہوتا ہے اور حد کی سزا واجب نہیں ہوتی ہے کسی ایسے عارض وسبب کی وجہ سے جس پر انتہائی درجہ کا تعزیری سزا دی جاتی ہو......اور اگر وہ ایسے افعال کی جنس سے ہو جس پر حد لازم نہیں آتا ہے تو تعزیری سزا لازم ہے اور تعزیر کو امام کے رائے کے سپرد کردیا جائے گا۔

تعزیر کا دائرہ

تعزیر کا دائرہ کافی وسیع ہے، حکام یا حکومتوں کو اس بات کا اختیار ہے کہ جرم کی نوعیت، مجرم کے احوال، گرد وپیش کے حالات اور اصلاح حال کی مصلحتوں کا خیال رکھتے ہوئے سزا تجویز کرے، اُصولی طور پر اس کے لئے کوئی محدود ضابطہ مقرر نہیں ہے، زبانی تنبیہ اور زجر وتوبیخ سے قتل تک کی سزا دی جاسکتی ہے، علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں :

والتعزیر لیس فیه تقدیر بل هو مفوض الی رأی القاضی لان المقصود منه الزجر ، واحوال الناس فیه مختلف ویکون التعزیر بالقتل ۔ (۲)

تعزیری سزا متعین ومنصوص نہیں ہے؛ بلکہ وہ قاضی کے منشاء ورائے پر مبنی ہے، اس لئے کہ تعزیری سزا کا مقصود زجر وتوبیخ ہے اور لوگوں کے احوال اس سلسلہ میں مختلف ہوتے ہیں اور کبھی کبھی تعزیراً قتل کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

اور آگے علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں :

---

(۱) تاتارخانیہ:۱۴۱/۵۔

(۲) درمختار مع ردالمحتار:۱۰۶/۶۔

وليس فى التعزير شئ مقدر انما هو مفوض الى الامام على ما تقتضى جناياتهم فان العقوبة فيه تختلف باختلاف الجناية ۔ (۱)

اور تعزیری سزا میں کوئی چیز متعین نہیں؛ بلکہ وہ امام کے سپرد ہے کہ جنایت کے اعتبار سے سزا متعین کرے؛ اس لئے کہ جنایت مختلف ہوتے ہیں، اس لئے سزا بھی متنوع ہوتی ہے۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمٰن الجزری ''باب التعزیر واسع'' کے تحت لکھتے ہیں :

وبالجملة فان التعزير واسع يمكن للحاكم ان يقضى به على كل الجرائم التى لم يقع الشارع لها حداً أو كفارة على ان يضع العقوبة المناسبة لكل سيئة ولكل جريمة من سجن أو ضرب أونفى أو توبيخ أو غير ذلك فقد اجاز الاسلام التعزير بكل أنواعه للحاكم فقط ۔ (۲)

اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ لفظ تعزیر اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے، حاکم وقت کے لئے مناسب ہے کہ ایسے گناہ اور جرم پر جن پر شارع نے حد اور کفارہ کی سزا مقرر نہیں کی ہے، تعزیری سزا متعین کرے، خواہ وہ جیل میں ڈال کر، یا مار پیٹ کر، یا جلاوطن کرکے، زجر وتوبیخ کرکے یا اس کے علاوہ جو مناسب معلوم ہو، اسلام نے حاکم کو ہر طرح کے تعزیری سزا دینے کی اجازت دی ہے۔

قید، تعزیر کی ایک صورت

تعزیری سزا کی ایک صورت حبس (قید) کی ہے؛ چوں کہ تعزیر کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مجرم کی اصلاح ہو اوراس کے دل میں جرم سے نفرت پیدا ہو اور چہرے پر پشیمانی کی لکیریں اُبھر آئیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب جرم کے مواقع ختم یا کم کردیئے جائیں، یہ مقاصد قید (جیل) کی صورت میں بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں، اس لئے تعزیری سزا کے طور پر مجرم کو قید کرنے کی شرعاً اجازت ہوگی، صاحبِ بدائع تحریر فرماتے ہیں :

(۱) دیکھئے: ردالمحتار: ۶/۱۰۶۔

(۲) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۵/۳۲۵۔

ان التعزیر قد یکون بالحبس وقد یکون برفع الصوت وقد یکون بضرب الاسواط ۔ (۱)

تعزیری سزا کبھی قید کرکے دی جاتی ہے، کبھی ڈانٹ کر اور کبھی کوڑے مار کر۔

نفس قید کے جواز پر جمہور اہل علم نے مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا ہے :

● وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۔ (النساء:۱۵)

تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں، ان پر اپنے میں سے چار مردوں کو گواہ بناؤ، پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھر میں روکے رکھو، یہاں تک کہ ان کو موت آجائے، یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ مقرر کرے۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اگرچہ زنا کی سزا کی بابت قید کا حکم منسوخ ہے؛ لیکن زنا کے علاوہ کے بارے میں یہ حکم آج بھی مشروع ہے، (۲) امام سرخسیؒ نے بھی حبس کی مشروعیت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے (۳) :

● اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۔ (المائدۃ:۳۳)

یا انھیں جلاوطن کردیا جائے۔

علامہ حصکفیؒ اور ابن ہمامؒ نے اس آیت سے حبس کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ نفی اور جلاوطنی بھی حبس کی ایک شکل ہے، (۴) احناف کے علاوہ حنابلہ اور مالکیہ ابن العربی اور شوافع کی ایک جماعت نے بھی یہاں نفی سے مراد حبس (قید) ہی لیا ہے۔

● وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ ۔ (التوبۃ:۵)

انھیں گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو۔

علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں اور ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں اس آیت سے بھی قید کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (۵)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۵/۵۲۵۔

(۲) احکام القرآن: ۲/۲۱۶۔

(۳) المبسوط للسرخسی: ۲/۸۸۔

(۴) فتح القدیر: ۵/۴۷۱۔

(۵) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۷/۱۱۹، المغنی: ۸/۲۷۲۔

● حَتّٰى إِذَآ أَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۔ (محمد:۴)

جب تم ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو پھر مضبوطی کے ساتھ قید کرلو۔

محققین علماء نے اس آیت کو محکم قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس آیت میں قیدیوں کو مقید کرنے کا حکم ہے،(۱) اس کے علاوہ فقہاء نے درج ذیل احادیث وآثار سے بھی استدلال کیا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے :

وری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا امسک الرجل الرجل وقتلہ الاخر فیقتل الذی قتل ویحبس الذی امسک ۔ (۲)

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی نے ایک شخص کو پکڑ رکھا ہو اور کسی دوسرے آدمی نے اس کو قتل کردیا تو اس شخص کو قتل کیا جائے گا جس نے اس کو قتل کیا، اور اس شخص کو قید میں رکھا جائے گا جس نے اس کو پکڑ رکھا تھا۔

(۲) حضرت معاویہ بن حیدہ القشیریؓ کی روایت ہے :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حبس رجلاً فی تھمۃ ۔ (۳)

حضرت معاویہ بن حیدہ القشیری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کے الزام میں قید کیا تھا۔

مصنف عبدالرزاق میں حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ بھی مذکور ہے کہ ایک شخص نے ایک آدمی کو پکڑ رکھا تھا اور دوسرے نے اسے قتل کیا تو حضرت علی نے قاتل کو قتل کا حکم دیا اور پکڑنے والے کو قید کئے جانے کا فرمان جاری کیا؛ چنانچہ وہ شخص قتل کیا گیا اور دوسرا قید میں ڈالا گیا اور پھر قید میں ہی اس کی وفات ہوئی۔(۴)

مروجہ قید خانہ کا تصور

عہد نبوی ﷺ اور عہد ابوبکر میں قید خانہ کا مروجہ نظام نہیں تھا؛ بلکہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جب اسلامی سلطنت کا دائرہ پھیلا تو انھوں نے ملکی اور سماجی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے مکہ میں ایک مکان خریدا اور اسے قید خانہ میں تبدیل کیا؛ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :

(۱) دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۸۵۔

(۲) دارقطنی: ۳/۱۴۰، بیہقی: ۸/۵۰۔

(۳) ابوداؤد: ۴/۷۴، ترمذی: ۴/۲۸۔

(۴) مصنف عبدالرزاق: ۲/۴۸۰۔

لم یکن علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ حبساً معداً لسجن الناس ولکن لما انتشرت الرعیۃ فی زمن عمر بن الخطاب ابتاع بمکۃ داراً جعلہ سجناً وحبس فیھا۔ (۱)

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں لوگوں کو قید میں رکھنے کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں تھی؛ لیکن جب حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں لوگ پھیل گئے تو حضرت عمرؓ نے مکہ میں ایک گھر کو خرید کر قید خانہ میں تبدیل کر دیا اور لوگوں کو اس میں قید کر کے رکھا جانے لگا۔

بعد کو حضرت علیؓ، پھر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور پھر مسلم سلاطین نے قید خانے تعمیر کرائے، علامہ ابن فرحون نے صراحت کی ہے :

وقد افرد الحکام المسلمون أبنیۃ خالصۃ للحبس وعدوا ذلک من المصالح المرسلۃ۔ (۲)

اور یقیناً مسلمان حکمرانوں نے قید کرنے کے لئے علاحدہ مکانات تعمیر کرائے اور اس عمل کو مصلحت اور حالات کا تقاضا قرار دیا۔

سزائے قید کا درجہ

اسلام میں تعزیری سزاؤں کے نفاذ کا مقصد مجرمین کی اصلاح وتربیت ہے اور اصلاح وتربیت میں قید کے علاوہ دیگر سزائیں زیادہ مؤثر ہیں؛ اس لئے قید کی سزا کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے؛ لہٰذا تعزیراً قید کرنے کا حق حاکم کو اسی صورت میں ہوگا جب کوئی متبادل ادنیٰ سزا مجرم پر اثر انداز نہ ہوسکتی ہو اور حاکم کے لئے اسے قید کرنا ناگزیر ہوجائے :

أما فی الشریعۃ الاسلامیہ فعقوبۃ الحبس لیست الا عقوبۃ ثانویۃ لا یعاقب بھا الا علی الجرائم البسیطۃ وھی عقوبۃ اختیاریۃ للقاضی۔ (۳)

---

(۱)　مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۹۸/۵۔

(۲)　تبصرۃ الحکام لابن فرحون: ۱۵۰/۲۔

(۳)　التشریع الجنائی: ۹۰/۱۔

بہر حال اسلامی شریعت میں قید کرنے کی سزا کو ثانوی درجہ دیا گیا ہے، قید کی سزا صرف سنگین جرائم پر ہی دی جائے گی اور یہ قاضی کے صواب دید اور رائے پر منحصر ہے۔

بچوں کو قید کرنا

یہی وجہ ہے کہ جرم کا ارتکاب اگر ایسے نابالغ نے کیا ہے، جس پر حدود وقصاص جاری نہیں ہو سکتے اور نہ ہی سزا کے طور پر اس کی تعزیر کی جا سکتی ہے تو جرم اگر معمولی درجہ کا ہے جو عام حالات میں موجب تعزیر ہوا کرتا ہے تو ایسے جرم کی پاداش میں نابالغ بچے کو قید نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ ہلکے درجہ کی تادیب اور سرزنش کی جا سکتی ہے، یا برائے اصلاح وتربیت تعزیر کی دوسری صورتیں اختیار کی جا سکتی ہے، جیسا کہ فقہاء نے بعض صورتوں کا ذکر کیا ہے، صاحب تاتارخانیہ لکھتے ہیں :

ثم قد يكون التعزير بالحبس وقد يكون بالصنع وتعريك الاذن وقد يكون بالكلام العنيف وقد يكون بالضرب ۔ (۱)

پھر کبھی تعزیر قید کر کے اور کبھی طمانچہ رسید کر کے اور کبھی گوش مالی کر کے اور کبھی سخت وتند بات کہہ کے اور کبھی مار پیٹ کر کے بھی ہوتی ہے۔

عام طور پر فقہاء کی یہی رائے ہے، حنفیہ میں امام سرخسیؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے؛ (۲) البتہ احناف میں بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ بچوں کو بھی تعزیراً قید کیا جائے؛ لیکن سزا کی حیثیت سے نہیں؛ بلکہ تادیب کی غرض سے، (۳) اور اگر جرم سنگین اور خطرناک ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک اس صورت میں بھی نابالغ مجرم کو قید کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ البتہ تعزیراً اس سے کم درجہ کی دوسری سزائیں دی جا سکتی ہے، جو مقصد تعزیر میں سب سے زیادہ مؤثر رول ادا کر سکتی ہیں؛ لیکن فقہاء احناف نے اس دوسری نوع کے جرم میں نابالغ بچوں کو قید کرنے کی اجازت دی ہے، مگر یہ صراحت بھی کی ہے کہ یہ قید سزا کے بطور نہیں؛ بلکہ برائے تادیب ہوگی، علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں :

ولا يحبس الصبي الا بطريق التاديب لئلا يتجاسر التي مثله اذا باشر شيئاً من أسباب التعدي قصداً فلو خطأ فلا ۔ (۴)

(۱) تاتارخانیہ: ۵/۱۴۰۔

(۲) دیکھئے: المبسوط: ۲۰/۹۱۔

(۳) ردالمحتار: ۴/۲۵۷۔

(۴) ردالمحتار: ۸/۱۲۳۔

اور بچہ کو قید نہیں کیا جائے گا، مگر تادیب کی غرض سے؛ تاکہ بچہ اس طرح کے دوسری چیزوں کی جوظلم وزیادتی کے قبیل سے ہوں، ان کی جسارت نہ کرسکے اور اگر بچے سے خطاءً کوئی جرم سرزد ہوجائے تو اسے قید نہیں کیا جائے گا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

و اما الصبی الحر فبعض المشائخ مالوا الی الحبس ۔ (۱)

بعض مشائخ کا رجحان یہ ہے کہ آزاد بچہ کو جرم پر قید کیا جائے۔

علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

الا الصبی العاقل فانه یعزر تادیباً لا عقوبة ؛ لانه من اهل التادیب ، الا تری الی ماروی عنه علیه السلام انه قال : مرو صبیانکم بالصلاة اذا بلغوا سبعاً واضربوهم علیها اذا بلغو عشراً وذٰلک بطریق التادیب والتهذیب لا بطریق العقوبة ؛ لانها تستدعی الجنایة ، وفعل الصبی لا یوصف بکونه جنایة ۔ (۲)

مگر عقل و ہوش والے بچے کو تادیباً تعزیر کی جائے گی سزا کے طور پر؛ اس لئے کہ وہ قابل تادیب ہے، کیا آپ کو وہ حدیث معلوم نہیں ہے جو حضور ﷺ نے بچوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: تم اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجائیں اور ان کو اس پر مارو جب وہ دس سال کے ہوجائیں اور یہ مارنا سزا کے طور پر نہیں؛ بلکہ ادب وتہذیب سکھانے کے لئے ہے، اس لئے کہ سزا جرم کی وجہ سے دی جاتی ہے اور بچہ کا کوئی عمل جرم نہیں ہے۔

بچوں کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بچے کی عمر اگر دس سال سے کم ہو، جو شریعت کی اصطلاح میں صبی غیر عاقل ہے اور اس سے کوئی جرم سرزد ہوتا ہے تو بالاتفاق اس عمر کے بچے کو قید و بند کی سزا کسی طور نہیں دی جاسکتی، نہ تادیباً اور خواہ جرم کی نوعیت کچھ بھی ہو، صاحب بدائع الصنائع نے وضاحت کی ہے :

بخلاف المجنون والصبی الذی لا یعقل ؛ لانهما لیسا من اهل العقوبة ولا من اهل التادیب ۔ (۳)

---

(۱) ہندیہ: ۴/ ۴۱۵۔

(۲) بدائع الصنائع: ۷/ ۶۳۔

(۳) بدائع الصنائع: ۷/ ۵۳۔

بخلاف پاگل اور ناسمجھ بچہ کے، اس لئے کہ یہ دونوں نہ تو قابل سزا ہیں اور نہ ہی قابل تادیب۔

بچوں کی جیل

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دس سال یا اس سے زیادہ عمر کے بچے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے یا ان کی عمر پندرہ سال سے کم ہے، انھیں تعزیر وتادیب کے طور پر قید یعنی جیل میں رکھا جاسکتا ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ بڑوں کی قید کا مقصد سزا ہے اور بچوں کی قید کا مقصد ان کی تربیت واصلاح ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بچوں کی جیل علاحدہ رکھی جائے اور دیگر عادی مجرمین یا ملزمین سے میل جول کی کوئی صورت ممکن نہ ہو؛ تاکہ آزاد کھلے فطری ماحول میں وہ تربیت پاسکیں اور ان کے اخلاق وکردار، جرائم پیشہ افراد کے تباہ کن اثرات سے محفوظ رہ سکے، علامہ شامیؒ کی درج ذیل عبارت سے اسی طرف اشارہ ملتا ہے :

> **وفی المحیط : للقاضی حبس الصبی الفاجر تادیباً لا عقوبة لئلا یماطل حقوق العباد فان الصبی یؤدب لینزجر عن الافعال الذمیمة ۔ (۱)**
>
> اور محیط میں ہے: قاضی کے لئے آوارہ بچے کو قید کرنا تادیباً ہے سزا کے طور پر؛ تاکہ حقوق العباد ضائع نہ ہوں، اسی لئے بچہ کو ادب سکھایا جاتا ہے؛ تاکہ وہ بُرے افعال سے بازرہے۔

بچہ جیل کی نوعیت

بچوں کی جیل کی حیثیت ادب گاہ کی ہے نہ کہ عقوبت خانہ کی، اس لئے ضروری ہوگا کہ رہائشی کمروں کی تعمیر بچوں کی نفسیات پر کی گئی ہو، ماحول دوست اور پرفضاء ہو، ہوادار اور کشادہ ہو، کھیل کود، سیر وتفریح کے لئے جگہ مختص کی گئی ہو اور دیگر تمام ضروری سہولیات دستیاب ہوں؛ تاکہ قیدی بچے ضیق وتنگی محسوس نہ کریں اور حسرت ویاس کا شکار نہ بنیں، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں :

> **ولا یجوز الحبس فی مکان یمنع فیه المحبوس الطعام والشراب ، او فی مکان حار ، او تحت الشمس او فی مکان بارد او فی بیت وسد نوافذه وفیه دخان ۔ (۲)**

---

(۱) ردالمحتار: ۳۸۵/۴۔

(۲) فتح القدیر: ۲۶۰/۷۔

اور جائز نہیں ہے کہ بچہ کو ایسی جگہ میں رکھنا جہاں قیدی کو کھانا پینا نہ دیا جائے اور نہ گرم جگہ میں اور نہ دُھوپ میں اور نہ ٹھنڈی جگہ میں اور نہ ایسی جگہ میں جس کی کھڑکیاں بند ہوں اور نہ اس گھر میں جس میں دُھواں بھرا ہو۔

علامہ ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں :

الحبس الشرعی لیس هو السجن فی مکان ضیق انما هو تعویق الشئ ومنعه من التصرف بنفسه ۔ (۱)

شرعی قید کسی تنگ جگہ میں محبوس کرنا نہیں ہے؛ بلکہ کسی چیز کو روکنا اور تصرف سے اس کو منع کرنا ہے۔

قیدی بچوں کے حقوق

۱۴ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو جنرل اسمبلی نے نابالغ قیدیوں کے متعلق ایک اہم دستاویز (جو ریاض اُصول سے مشہور ہے) کو منظوری دی، بنیادی اُصولوں کے مقابلہ یہ دستاویز زیادہ مفصل ہے، جس میں ۶۶ر اُصول مذکور ہیں، اسی طرح بیجنگ قوانین ۳۰ر اُصولوں پر مشتمل ہے یہ دونوں دستاویز مندرجہ ذیل قوانین و ہدایات کی وضاحت کرتے ہیں، جن کا اطلاق نابالغوں پر ہوتا ہے۔

(۱) مقید بچوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے، جس سے ان کی عزت نفس میں اضافہ ہو، وہ معاشرہ میں باوقار زندگی گذار سکیں، ان کے مفادات وضروریات کا پورا خیال رکھیں۔

(۲) امکان نجات کے بغیر بچوں کو سزائے موت، عمر قید یا کسی طرح کی جسمانی سزا نہیں ملنی چاہئے۔

(۳) مقید بچوں کو بالغ قیدیوں سے الگ رکھا جائے۔

(۴) ملزم بچوں کو بڑوں سے الگ رکھا جائے اور حتی الامکان جلد از جلد انھیں عدالتی کارروائی کے لئے پیش کیا جائے۔

(۵) نابالغ بچوں کی پرائیویسی کا احترام ہونا چاہئے اور ان کا محفوظ مکمل ریکارڈ رکھا جائے۔

(۶) لازمی اسکول عمر کے بچوں کو تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کا حق حاصل ہے۔

(۷) جن اداروں میں نابالغ بچے ہوں، وہاں ہتھیار نہیں لے جانا چاہئے۔

(۸) اُصول پسندی کی کارروائیاں ایسی ہوں، جن سے بچوں کی عزت نفس میں کوئی فرق نہ آئے؛ بلکہ ان کے اندر احساس انصاف اور حقوق انسانی کا احترام پیدا ہو۔

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۹۸/۳۵۔

(۹) نابالغوں کی موت، زخمی ہونے، بیماری، چھٹکارا، منتقلی اور داخلے کی اطلاع ان کے والدین کو دی جانی چاہئے۔(۱)

بیجنگ رولس اور ریاض ہدایات کافی حد تک قیدیوں سے متعلق اسلامی تعلیمات سے موافقت رکھتی ہیں؛ لیکن اقوام متحدہ کے مقرر کردہ یہ قوانین اور ہدایات لازمی دستاویز کا درجہ نہیں رکھتی ہیں اور نہ ہی حکومتیں دیانت داری کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہیں، اس لئے بچہ قیدیوں کو جو بنیادی اور لازمی حقوق اسلام نے دیئے ہیں، ہم انھیں ذیل میں اختصار سے ذکر کرتے ہیں۔

قیدی بچوں سے حسن سلوک

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی بنیاد عدل وانصاف اور احسان پر ہے، اسی لئے اسلام اس بات کا قائل ہے کہ قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور کوئی ایسا اقدام نہ ہو جس سے قیدیوں کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچے یا انھیں ذلت وحقارت کا احساس ہو، اس بارے میں قیدی سے رنگ ونسل، زبان وعلاقائیت، سیاست وحکومت، تہذیب وثقافت، یا دین ومذہب کسی طرح کا فرق وامتیاز نہ برتا جائے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ (المائدۃ:۸)

اور کسی قوم کی دشمنی تم کو ناانصافی پر آمادہ نہ کردے، انصاف کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔

جو لوگ اللہ کی محبت میں مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، ان کی توصیف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۔ (الدہر:۸)

اور خدا چاہت رکھنے کے باوجود محتاج، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔

ایسے ہی آپ ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی اور جب ثمامہ بن اثال گرفتار کرکے لائے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’احسنوا أسارہ‘‘(۲) جنگ بدر میں گرفتار کئے گئے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کو ہدایت دی: ’’استوصوا بالأساری خیراً‘‘(۳) ’’قیدی کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو‘‘۔

(۱) دیکھئے: قیدیوں کے حقوق — اسلامی تعلیمات کی روشنی میں: ۱۷۳۔
(۲) آداب الحرب فی الاسلام للشیخ محمد الخضر: ۲۸۔
(۳) طبرانی: ۹۷۷۔

فقہائے کرام نے بھی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر برتاؤ کی ہدایت دی ہے؛ چنانچہ قاضی امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں :

الاسیر من اساری المشرکین لا بد ان یطعم و یحسن الیه حتی یحکم فیه فکیف برجل مسلم قد أخطأ أو أذنب یترک یموت جوعاً ۔ (۱)

ضروری ہے کہ مشرک قیدیوں کو کھانا کھلایا جائے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، یہاں تک کہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ ہوجائے تو پھر کیسے ایک مسلمان سے اکل وشرب کو منع کیا جائے گا، جس نے خطا کی ہو یا کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو کہ وہ بھوک سے مرسے۔

قیدی بچہ ہوتو بالخصوص وہ امتیازی بنیاد پر حسن سلوک اور ہمدری کا حقدار ہے۔

قیدی بچوں کو مذہبی آزادی

انسان مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، آزاد ہو یا پابند سلاسل اپنی مرضی کی زندگی جی رہا ہو یا پس دیوار زنداں قید کی صعوبتیں جھیل رہا ہو، شریعت محمدی ﷺ میں اسے اپنے مذہب وعقیدہ پر عمل کی مکمل آزادی حاصل ہے، مذہبی کتابوں کا مطالعہ، مذہبی شخصیات ونمائندوں سے ملاقات اور راہ ورسم قائم کرنے کی کھلی چھوٹ ہے، اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے :

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۔ (الانعام:۱۰۸)

اللہ کے سوا وہ جن کی عبادت کرتے ہیں، ان کو بُرا بھلا نہ کہو، کہ وہ بھی حد سے تجاوز کرتے ہوئے اللہ کو بُرا بھلا کہنے لگیں، اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے لئے ان کے عمل کو خوشحال بنادیا ہے۔

صاحبِ بدائع الصنائع لکھتے ہیں :

لا یمنع من التصرفات الشرعیه ۔ (۲)

---

(۱) کتاب الخراج: ۱۴۹-۱۵۰۔

(۲) بدائع الصنائع: ۶/۱۸۰۔

قیدی کو شرعی تصرفات سے منع نہیں کیا جائے گا۔

لہٰذا بچہ قیدی کے لئے جیل میں اپنے مذہب پر عمل کرنا، عبادت بجالانا، مذہبی علوم پڑھنا لکھنا، مذہب کے عنوان پر منعقد اجلاس میں شرکت کرنا، یا مذہبی رہنماؤں سے ملاقات اور بات چیت کرنا جائز ہوگا، حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ قیدیوں کو مذہب کے موافق غذا فراہم کرے، ایسی غذا سے اجتناب کرے، جس کی اجازت قیدی کے مذہب میں نہیں ہے، حکومت پر اس امر کو یقینی بنانا بھی ضروری ہے کہ مذہبی اُمور میں کسی قیدی بچے کو کسی عمل پر مجبور نہ کیا جائے اور نہ ہی مذہبی خطوط پر قیدیوں کے بیچ تفریق برتی جائے؛ بلکہ تمام مذاہب کے قیدیوں کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کا مکمل حق حاصل ہوگا؛ کیوں کہ مذہبی رجحان سے ہی اصلاح حال اور تزکیہ نفس کی راہیں کھلتی ہیں اور انسان کا دل پسیجتا ہے اور حق قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے، علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :

کان یسمح سجناء فی السجون الاسلامیه بادخال الکتب والاقلام والاوراق للقرأة والکتابة۔ (۱)

اسلامی قید خانہ میں قیدیوں کو کتاب اور لکھنے پڑھنے کے لئے کاغذ اور قلم لے جانے کی اجازت تھی۔

اور آگے علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں :

ینبغی تمکین المحبوس من الوضوء والصلاة ولا یجوز معاقبته بالمنع منها۔ (۲)

مناسب ہے کہ قیدی کو وضو اور نماز کا موقع دیا جائے اور نماز سے روکنے کی سزا دینا جائز نہیں ہے۔

قیدی بچوں کی تعلیم وتربیت

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سزا کا بنیادی مقصد تہذیب نفس یعنی طبیعت کی پاکیزگی وتطہیر ہے، تعذیب نفس یعنی نفس کو کلفت ومشقت میں ڈالنا ثانوی درجہ کی شئے ہے، دوسری طرف تعلیم وتربیت بچوں کا اولین بنیادی حق بھی ہے اور بچوں کو قید کرنے کے محرکات وعوامل بھی یہی ہیں کہ انھیں علم وادب اور تہذیب وشائستگی سے آراستہ کیا جائے؛ تاکہ ان کی طبیعت میں نیکی، فکر میں بالیدگی اور رویہ میں صالح تبدیلی رونما ہو، اسی لئے اسلام بچوں کی تعلیم

(۱) البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۱۴/ ۱۴۰۔

(۲) ردالمحتار: ۵/ ۳۷۸۔

وتربیت اور انھیں ہنر سکھانے پرتوجہ مرکوز کرنے کی ضرورت واہمیت پرزور دیتا ہے، بلا قید عمر وجنس حضور ﷺ نے حصول علم کوضروری قرار دیتے ہوئے ارشادفرمایا:''طلب العلم فریضة علی کل مسلم ''(علم کا حصول ہر مسلمان پرفرض ہے)اسی طرح اولین دوراسلام میں آپ ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کوتعلیم وتعلم کےفرائض سپرد کئے۔

لہٰذا قیدخانہ (جیل) میں مقید کئے گئے اسکولی عمر کے بچوں کوتعلیم وتربیت کا لازمی حق حاصل ہوگا اورحکومت کا فرض ہوگا کہ مستقل بنیادوں پراس کا انتظام کرے، فی زمانہ مسلم تنظیموں کی بھی ذمہ داری ہوگی کہ جیل میں قید مسلم بچوں کی فلاح وبہبود کے لئےضروری پروگرام منعقد کریں؛ تاکہ قید سے خلاصی کے بعد یہ بچے صالح معاشرہ کی تشکیل میں اپنا بھرپورحصہ ادا کریں۔

قیدی بچوں کی جسمانی ضروریات

قید کی وجہ سے انسان حق آزادی سے محروم ہوتا ہے، یہ محرومی اپنے آپ میں کچھ کم نہیں ہے، خاص طور پر بچوں کے نظریے سے کہ جن کی عمرکھیل کود،نشونما اورغنچوں کی طرح چٹکنے کی ہے؛لیکن وہ اب بھی انسان ہےاورانسانی ضروریات وتقاضے اس سے وابستہ ہیں، اس لئے انسانی حقوق سے وہ محروم نہیں کیا جاسکتا، دوران قید وہ ایسے تمام انسانی حقوق سے مستفید ہونے کا حقدار ہے، جوقید سے باہر عام لوگوں کوحاصل ہیں۔

لہٰذا جسمانی تندرستی اوردماغی قوت کی بقاء کے پیش نظرقیدیوں کوصحت بخش غذا، صاف ستھرا پانی،موسم کے لحاظ سے کپڑے، علاج ومعالجہ،حفظانِ صحت کے لئے ورزش وتفریح اورکھیل کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی،قیدیوں کو غذا فراہم کرنے سے متعلق اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۔ (سورۂ دہر:۸)

اور چاہت کے باوجود مسکین،یتیم اورقیدی کوکھانا کھلاتے ہیں۔

اس آیت کا مصداق اصلاً مشرک قیدی ہے؛لیکن مفسرین نے مسلم قیدی کو بدرجہ اولیٰ اس سلوک کا حقدار قرار دیا ہے،(۱) بنی قریظہ کےقیدیوں کے بارے میں آپ ﷺ نے خصوصی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا :

لا تجمعوا عليهم حر هذا اليوم وحر السلاح ۔ (۲)

قیدیوں پرموسم کی گرمی اوراسلحہ کی گرمی کی دوہری مشقت مت ڈالو۔

---

(۱) دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن للجصاص: ۳/۱۷۴۔

(۲) بدائع الصنائع: ۳/۱۲۰۔

حضرت علیؓ نے اپنے قاتل ابن ملجم کے بارے میں کہا تھا: ''أطعموه وأسقوهم وأحسنوا اساره''(۱)اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون کو جہنمی قرار دیا جس نے ایک بلی کو قید میں بھوکا رکھا،جس سے اس کی موت ہوگئی: ''عذبت إمرأة في هرة حبستها حتى ماتت جوعاً فدخلت منها النار''۔(۲)

فقہائے اسلام نے بھی کھانا کپڑا اور اُمور صحت سے لا پرواہی کو قیدیوں پر ظلم سے تعبیر کیا ہے اور مواخذہ کی بات کہی ہے :

منع المساجين مما يحتاجون اليه من الغذاء والكساء والصحة جور يعاقب الله عليه كما دل عليه حديث الهرة ۔ (۳)

قیدیوں کو کھانا، کپڑا اور اُمور صحت سے روکنا ظلم ہے، اللہ اس پر سزا دے گا، حدیث ہرہ اس پر دلیل ہے۔

فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ قیدیوں کے علاج ومعالجہ اور طبی ضرورت کے لئے ڈاکٹر کو قید خانہ میں آنے اور دیکھ بھال کرنے کی اجازت ہوگی، صاحب فتح القدیر کہتے ہیں :

ولا يمنع الطبيب والخادم من الدخول عليه لمعالجته وخدمته ۔ (۴)

اور قیدیوں کے علاج اور خدمت کے لئے ڈاکٹر اور خادم کو قیدی کے پاس جانے سے روکا نہیں جائے گا۔

ابن سعد نے بیمار قیدیوں کی نگہداشت اور حاجت روائی کے سلسلہ میں خلیفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے :

وانظروا في السجون وتعهدوا المرضى ۔ (۵)

قید خانوں کی نگہداشت رکھو اور مریضوں کی خبر گیری کرو۔

---

(۱) کنز العمال: ۱۳/ ۱۹۷۔

(۲) القضاء ونظامہ: ۵۵۸۔

(۳) القضاء ونظامہ: ۵۵۸۔

(۴) فتح القدیر: ۲/ ۱۷۴۔

(۵) طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۵۶۔

حفظانِ صحت کے لئے بچوں کو ورزش اور کھیل کود کی اجازت ہوگی؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے کمزور ولاغر مسلمان کے مقابلے میں صحت مند وتوانا مسلمان کو بہتر اور اللہ کا محبوب فرمایا، حدیث کے الفاظ ہیں :

المومن القوی خیرو أحب الی اللہ من المؤمن الضعیف ۔ (۱)

طاقتور مومن اللہ کی نگاہ میں کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے۔

قیدی بچوں کے سماجی حقوق

ایک عام آدمی کو جو سماجی حقوق حاصل ہیں، قید کئے گئے بچوں کو بھی وہ حقوق حاصل ہوں گے؛ چنانچہ دورانِ حراست وہ اپنے والدین، اعزہ وا قارب اور دوست واحباب سے ملاقات اور تبادلہ خیال کر سکتے ہیں، فون پر بات چیت کرنے کی بھی سہولت ہوگی؛ تاکہ ماں باپ کی جانب سے تفہیم ونصیحت کا سلسلہ برقرار رہے اور اخلاقی بیماریوں کو دُور کرنے میں مدد ملے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

ولا یمنع المسجون من دخول اھلہ وجیرانہ ۔ (۲)

قیدی سے اس کے گھر والے اور پڑوسیوں کو ملنے کی اجازت ہوگی۔

بچوں کو آپس میں میل جول، گفت وشنید، اجتماعی کھیل کود اور سیر وتفریح کے مواقع بھی حاصل ہوں گے، علامہ سرخسی فرماتے ہیں :

لا یمنع المحبوس من السلام علی أصدقاءہ والحدیث معھم ۔ (۳)

قیدیوں کو اپنے دوستوں سے سلام کلام کی اجازت ہے۔

تفریح طبع اور احوال عالم کی جانکاری کے لئے ریڈیو استعمال کرنے، اخبارات ورسائل پڑھنے کی بھی گنجائش ہوگی؛ بشرطیکہ وہ مخرب اخلاق مضامین اور پروگرام پر مشتمل نہ ہوں، صاحب احکام السجن لکھتے ہیں :

وان رأی الحاکم مصلحة فی اطلاع المحبوس علی انواع الکتب والصحف الھادقة بالأنباء المھمة والاخبار المفیدة ، وتزویدہ بالثقافة ، فلہ أن یفعل ذلک ، ومثل ھذا تمکینہ من الاستماع الی مذیاع ۔ (۴)

(۱) صحیح مسلم: ۲۶۰/۸۔
(۲) ہندیہ: ۴۱۸/۳۔
(۳) المبسوط للسرخسی: ۹۰/۳۔
(۴) احکام السجن: ۴۹۷۔

اور اگر حاکم مصلحت سمجھے کہ قیدی کو مختلف النوع کتابوں اور ایسے رسائل سے باخبر کرنا
جو اہم خبروں اور مفید باتوں پر مشتمل ہو اور تہذیب وثقافت سے آراستہ کرنے والی
ہو تو اس کی اجازت دینی چاہئے اور اسی طرح ریڈیو کی اجازت ہونی چاہئے۔

البتہ ٹیلی ویژن استعمال کرنے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی؛ کیوں کہ اس کے بُرے اثرات ستم بالائے ستم بچوں کے اخلاق اور دین کو بگاڑنے کا کام کریں گے۔

نیز یہ بچوں کی جسمانی، سماجی یا مذہبی ضرورت بھی نہیں کہ ان کے لئے ناگزیر ہو، اس سلسلے میں قرآن مجید کی اُصولی ہدایت موجود ہے کہ: ''وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' (اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کرو) حق اطلاعات کی رُو سے حکومت کے لئے ضروری ہوگا کہ قیدی بچوں کی حراست، ایک جیل سے دوسری جیل منتقلی، بیماری یا موت کی اطلاع فوری طور پر والدین یا اولیاء کو دے، ایسا نہ ہونے کی صورت میں شدید ضرر لاحق ہوگا؛ جب کہ شرعی طور پر اس طرح کے ضرر کو دفع کرنا ضروری ہے، فقہ اسلامی کا مشہور ضابطہ ہے: ''**الحرج مدفوع، والضرر یزال**'' (تنگی اور نقصان کو دُور کیا جائے گا)۔

قیدی بچوں پر مظالم

اسلامی شریعت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ بچوں کو قید میں اس لئے رکھا جا سکتا ہے کہ ان کی ذہن سازی کی جائے اور شخصیت میں نکھار پیدا کیا جائے، تعلیم وتربیت اور تہذیب وتزکیہ کے ذریعہ مثالی کردار کا حامل انسان بنایا جائے، اس لئے نہیں کہ تختۂ مشق سمجھا جائے اور جرم سے باز رکھنے کے لئے مختلف قسم کے مظالم آزمائے جائیں اور نت نئی سزاؤں کا تجربہ کیا جائے۔

چنانچہ دوانِ قید جیل میں بچوں سے ایسا برتاؤ کرنا، جس میں کچھ بھی ظلم یا سزا کی بات ہو، عالمی حقوق انسانی منشور اور اسلامی قوانین کے خلاف ہونے کے سبب ہرگز درست نہیں ہوگا، اسلامی ماہرین قانون نے بعض متعارف اور رائج سزاؤں کا ذکر کر کے سختی سے ان کی نفی کی ہے، ذیل میں بعض صورتیں بیان کی جاتی ہے :

(۱) زیر حراست بچے کو مار پیٹ کرنا۔
(۲) ننگا کر کے ذلت کا احساس دلانا۔
(۳) سزا کے ارادے سے دیر تک تیز دھوپ، سخت سردی یا تیز روشنی میں رکھنا۔
(۴) صعوبت آمیز کام کاج کا مکلف کرنا۔
(۵) تنگ کالی کوٹھری میں رکھنا۔

(۶) سخت سردی میں برف کی سلوں پر ڈالنا۔

(۷) خون خوار جانوروں کے ذریعہ خوف زدہ کرنا۔

(۸) الیکٹرک شاک لگانا۔

(۹) جسم کے کسی حصہ کو داغنا۔

(۱۰) ذہنی ودماغی طور پر ٹارچر کرنا۔

(۱۱) ہاتھ میں ہتھکڑی اور پیر میں بیڑی ڈالنا یا جسم کو زنجیر سے جکڑنا۔

(۱۲) قید تنہائی میں ڈالنا۔

(۱۳) سب وشتم کرنا۔

(۱۴) تحقیر آمیز لب ولہجہ میں مخاطب کرنا۔

(۱۵) بھوکا پیاسا رکھنا وغیرہ۔

اس سلسلے میں مصادر شریعت اور قانونِ شریعت سے مندرجہ ذیل شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں :

● ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : لا تعذبوا بعذاب الله ۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس چیز سے اللہ عذاب دے اُسے تم سزا نہ دو۔

● لا ینبغی للقاضی ان یضرب محبوساً فی دینه ولا فی غیره ولا یصفع ولا یقید ولا یغل ولا یمد ولا یجرد ولا یقیمه فی الشمس ۔ (۲)

قاضی کو زیب نہیں دیتا کہ قرض یا دوسری وجہ سے قید ہونے والوں کو مارے پیٹے، مشکیں کسے، زنجیروں میں جکڑے، گلے میں طوق ڈالے، گھسیٹے، ننگا کرے یا دھوپ میں کھڑا کرے۔

● التمثیل بالجسم وضرب الوجه ونحوه والتعذیب بالنار ونحوها والتجویع والتعریض للبرد ونحوه والتجرید من الملابس وامور اخریٰ تحرم المعاقبة بها ۔ (۳)

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الحدود: ۵۹۸۔

(۲) فتاویٰ ہندیہ: ۳/ ۴۱۴۔

(۳) الموسوعۃ الفقہی: ۱۴/ ۳۲۶، بدائع الصنائع: ۷/ ۱۲۰۔

جسمانی تشدد کرنا اور چہرہ پر مارنا اور آگ کی سزا دینا، بھوکا رکھنا، ٹھنڈا میں رکھنا، برہنہ کرنا اور ان کے علاوہ اس طرح کے دوسری سزائیں دینا حرام ہے۔

● ولیس للطالب ان یقیم الملزوم فی الشمس أو علی الثلج أو فی موضع یضر بہ ۔ (۱)

اور مدعی کو اختیار نہیں ہے کہ وہ ملزم کو دُھوپ میں رکھے، یا برف پر رکھے، یا ایسی جگہ رکھے جو اس کے لئے تکلیف دہ ہو۔

● تحرم المعاقبۃ بالتجرید من الثیاب لما فی ذلک من کشف العورۃ ۔ (۲)

کپڑا اُتار کر برہنہ کر کے سزا دینا حرام ہے، اس لئے کہ اس میں کشف عورت ہے۔

قیدی بچوں کو جیل میں رکھنے کی مدت

بچوں کو جیل میں تعزیر عقوبت کے طور پر نہیں ؛ بلکہ تعزیر تادیب کے طور پر رکھا جاتا ہے اور چوں کہ ادب اور اصلاح حال کی کوئی مدت نہیں ہوتی ، اس لئے مجرم اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے حاکم اپنی صوابدید پر قید کی مدت کا فیصلہ کرسکتا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں :

وتقدیر مدۃ الحبس راجع الی الحاکم کما لا یخفی ۔ (۳)

اور قید کی مدت حاکم کے صواب دید پر موقوف ہے، جیسا کہ واضح ہے۔

اور آگے علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں :

والصحیح ان التقدیر مفوض الی رأی القاضی لاختلاف احوال الاشخاص فیہ ۔ (۴)

اور درست بات یہی ہے کہ سزا کی مقدار قاضی کی رائے پر موقوف ہے، اس لئے کہ لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔

---

(۱) معین الحکام:۱۹۹۔

(۲) الاحکام السلطانیہ:۲۳۹۔

(۳) البحر الرائق:۵/۴۳۔

(۴) فتح القدیر:۶/۳۷۹۔

بچہ کب بالغ اور کب مکلف ہوگا؟

اتفاق برائے حقوق اطفال کے (آرٹیکل نمبر:۱) کی نگاہ میں ۱۸/سال سے کم عمر کا ہر انسان بچہ ہے؛ البتہ اس سے پہلے ہی پختگی حاصل کر لینے کی صورت میں پختگی سے جڑے قوانین کا انھیں مکلف بنایا جاسکتا ہے، آزادی سے محروم کردیئے گئے کم سنوں کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ کے ذریعہ بنائے گئے قوانین کے (قانون نمبر:۱۱) کے مطابق ۱۸/سال سے کم عمر کا ہر انسان کمسن کے زمرے میں شامل ہے۔(۱)

لیکن اسلامی ماہرین قانون کی نظر میں لڑکے ولڑکیاں اسی وقت سے بالغ سمجھے جائیں گے، جب ان میں بلوغ کی حقیقی علامات پائی گئی ہیں، جس کی کم سے کم مدت لڑکوں کے لئے ۱۲/سال اور لڑکیوں کے لئے ۹/سال ہے اور اگر علامات کا ظہور نہ ہوسکے تو سن بلوغ کا اعتبار ہوگا اور لڑکے اور لڑکیاں بیک طور پر ۱۵/سال کی عمر میں قانوناً بالغ سمجھے جائیں گے اور شرعی قانون کے مکلف ہوں گے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں :

> بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد فيها فحتى يتم لكل منها خمس عشرة سنة ، به يفتى هذا عندهما وهو رواية عن الامام وبه قالت الائمة الثلاثة ، وادنىٰ مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين هو المختار ۔ (۲)
>
> بچہ کے بلوغ کی علامت ہے، احتلام ہونا، حاملہ بنادینا اور انزال ہونا ہے، اور بچی کے بلوغ کی علامت ہے، احتلام ہونا، حیض کا آنا اور حمل ٹھہر جانا ہے اور اگر یہ علامات نہ پائی جائیں تو ہر ایک کا پندرہ سال کا ہوجانا ہے اسی پر فتویٰ ہے اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے اور امام صاحب سے بھی ایک روایت ہے اور ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں اور لڑکے کے لئے بلوغ کی کم سے کم مدت بارہ سال اور لڑکی کے لئے بلوغ کی کم سے کم مدت نو سال ہے اور یہی مختار قول ہے۔

---

(۱) دیکھئے: قیدیوں کے حقوق — اسلامی تعلیمات کی روشنی میں: ۱۴۵۔

(۲) ردالمحتار: ۹/۱۸۶۔

اور صاحبِ تاتارخانیہ تحریر فرماتے ہیں :

وان لم یوجد شئ من هذه الاشیاء فانما یحکم ببلوغها بالسن ـ (۱)

اور اگر ان میں سے کوئی بھی علامت نہ پائی جائے تو اس کے بلوغ کا حکم عمر سے لگایا جائے گا۔

اقوام متحدہ کا مقرر کردہ سن بلوغ راست طور پر اسلامی اُصول سے متصادم ہے، تجربہ اور حالات وواقعات اس بات کے متقاضی ہیں کہ فی زمانہ زیادہ زیادہ ۱۵ر سال کی عمر کے بچے کو قانوناً بالغ تسلیم کیا جائے ورنہ ۱۸ر سال کی عمر کا اعتبار وانتظار بے شمار بالغ مجرموں کو سزا سے تحفظ فراہم کرتا ہے اور مجرم جرم کی سخت سزا سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا ہے، جس کے سبب سماج میں جرائم کا تناسب روز افزوں بڑھتا چلا جاتا ہے، جس کا مشاہدہ آج کا ہر انسان کھلی آنکھوں سے کر رہا ہے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے مجسمۂ حیرت واستعجاب بنا بیٹھا ہے۔

●●●

(۱) تاتارخانیہ: ۵/۱۸۷۔

ہندوستانی مسلم سماج کو درپیش نئے مسائل
اور
فقہ اسلامی کی رہنمائی

مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی ☆

ہمارا مذہب اسلام سچا و برحق، زندہ و پائندہ، کامل و مکمل، مستقل بالذات، ہر طرح کے نقص و آمیزش سے پاک، پوری انسانیت کے لئے باعث رحمت اور دستورِ حیات ہے، ہر زمانہ کے انسانوں کی رہنمائی کرنے والا، بھٹکے ہوئے کو سیدھا راستہ دکھانے والا، اپنی تہذیب وثقافت، اپنا تشخص و پہچان، اپنا شعار و امتیاز، اپنی خاص سوچ وفکر کا حامل مذہب ہے، اسے کسی اور مذہب وثقافت کے ساتھ انضمام گوارا نہیں اور نہ ہی وہ کسی اور مذہب اور نظام زندگی سے سمجھوتہ کا قائل ہے، غرضیکہ ہمارا مذہب اسلام اپنی جامعیت میں اپنی نظیر آپ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المائدۃ:۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا، تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔

جہاں تک ہمارے ہندوستانی سماج کو درپیش معاشرتی مسائل کی بات ہے تو یہ بہت ہیں اور ان میں جدید نوع کے مسائل بھی کچھ کم نہیں ہیں؛ لیکن اس محدود صفحات میں منتخب مسائل ہی پیش کئے جاسکتے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں :

دُلہن سے اجازت کون لے؟

نکاح کے وقت لڑکی سے اجازت لینے کے لئے خود والد یا کوئی دوسرا ولی دو محرم گواہوں کو ساتھ لے جائے، کسی اجنبی کو نہیں، قاضی محرم ہو تو جائے، غیر ہو تو اس کا جانا بہتر نہیں ہے، اس موقع سے عام طور پر بے احتیاطی ہوتی ہے کہ لڑکی سے اجازت لینے کے لئے غیر محرم جاتے ہیں اور قاضی بھی غیر محرم ہونے کے باوجود لے جائے جاتے ہیں،

☆ استاذ : جامعہ اسلامیہ، کیرالا۔

جس کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہے، دُلہن کو زیب و زینت کی حالت میں دیکھتے ہیں، اس کے ساتھ خاندان کی دوسری خواتین بھی کھلے چہرے اور کھلے باز و زیبائش وآرائش کے ساتھ بیٹھی ہوتی ہیں، جس سے بڑی بے پردگی ہوتی ہے، نیز یہ فتنہ کا پیش خیمہ بھی ہوسکتا ہے۔

حالت نشہ میں نابالغ لڑکی کے نکاح کی اجازت

اُصولی طور پر انسان کا تصرف اس وقت معتبر ہوتا ہے، جب کہ اس نے بالغ ہونے کے ساتھ ہوش وحواس کی حالت میں تصرف کیا ہو، (۱) اسی وجہ سے مجنون کا تصرف معتبر نہیں ہے گو کہ بالغ ہو، جنون دو طرح کا ہوتا ہے، ایک یہ کہ دائمی ہو، دوسرے یہ کہ گاہے بگاہے وقفہ سے دورہ پڑتا ہو، دوسری صورت میں افاقہ کی حالت میں اس کا تصرف معتبر ہوتا ہے، (۲) جس طرح مجنون جنون میں مخبوط العقل ہوتا ہے، اسی طرح اگر نشہ انتہاء درجہ کا ہوتو اس حالت میں بھی انسان مسلوب العقل ہوتا ہے اور اپنے حق میں خیر وشر کے امتیاز سے محروم ہوجاتا ہے، اس لئے اگر اس نے نشہ کی حالت میں اپنی لڑکی کے نکاح کی اجازت دے بھی دی ہو اور یہ بات گواہوں سے ثابت بھی ہوتو اس کا تصرف معتبر نہیں ہوگا، (۳) اور نکاح درست ونافذ نہیں ہوگا۔

انٹرنیٹ وغیرہ پر نکاح

انٹرنیٹ، ویب سائٹ، فیکس، ای میل، ٹیلیفون کانفرنس، موبائیل فون اور ٹیلی گرام پر نکاح کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ نکاح درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب وقبول — جو کہ نکاح کے رکن میں — ایک ہی مجلس میں پائے جائیں اور یہاں مذکورہ بالا صورتوں میں ایجاب وقبول کی مجلس الگ ہے؛ کیوں کہ ان میں بات کرنے یا تحریری طور پر اپنی بات پیش کرنے والے کی مجلس الگ ہوتی ہے اور مخاطب کی مجلس الگ؛ پس ان ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نکاح کا ایجاب وقبول درست نہیں، ہاں اگر ان ذرائع ابلاغ کے ذریعہ کسی شخص کو نکاح کے ایجاب وقبول کا وکیل بنادیا جائے اور وہ یہاں اپنے مؤکل کی طرف سے نکاح کا ایجاب یا قبول کرے تو مؤکل کا نکاح درست ہوجائے گا۔ (۴)

---

(۱) دیکھئے: التقریر والتحبیر: ۲/۱۶۶، مرأة الأصول: ۲/۴۲۵، فواتح الرحموت: ۱/۱۵۶۔

(۲) ''وتنفذ تصرفاته فی حالة الإفاقة'' (ہندیہ: ۲/۲۹)۔

(۳) دیکھئے: کتاب الفتاویٰ: ۴/۳۸۱، از: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

(۴) ردالمحتار: ۴/۶۳۔

نومسلم کا مسلم لڑکی سے نکاح

کوئی بھی غیر مسلم اسلام قبول کر لینے کے بعد مسلم سوسائٹی کا معزز فرد بن جاتا ہے، اسے نسلی مسلمانوں کے برابر حقوق واحترام حاصل ہوجاتا ہے، مسلمان لڑکیوں کا نکاح اگر نومسلم نوجوانوں سے کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز ہوگا؛ بلکہ موجب اجر وثواب ہے، (۱) علامہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے کہ عام فقہاء کے نزدیک نومسلم قدیم مسلمانوں کے کفوء ہیں، خواہ عرب ہوں یا عجم۔(۲)

عمر رسیدہ لوگوں کا کم عمر لڑکیوں سے نکاح

آج کل گلف ممالک سے عمر رسیدہ لوگ ہندوستان آتے ہیں اور دلالوں کے ذریعہ جواں سال لڑکیوں سے شادی کرتے ہیں، چند دن ان کے ساتھ عیش کرتے ہیں، پھر کبھی تو طلاق دے کر، کبھی یوں ہی معلق چھوڑ کر اور کبھی ساتھ لے کر واپس جاتے ہیں، جہاں یہ ہندوستانی منکوحہ لڑکیاں ان کی پہلی بیویوں کے سامنے آیاؤں کی طرح رہنے پر مجبور ہوتی ہیں۔

ازروئے شرع عام حالات میں یہ بات مطلوب ہے کہ زوجین کی عمر میں مناسبت ہونی چاہئے؛ تاکہ دونوں تاحیات خوشگوار زندگی گزار سکیں، تاہم اس کی رعایت واجب نہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق ارشاد فرمایا :

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۔ (النساء:۳)

جوعورتیں پسند ہوں، ان سے نکاح کرلو، دودو، تین تین، چار چار۔

نیز اسلام میں شادی کے لئے عمر کی تحدید نہیں ہے؛ لہٰذا عمر رسیدہ لوگوں کا کم عمر لڑکیوں سے نکاح درست ہوگا؛ البتہ ہمارے ہندوستانی مسلم سماج کی صورت حال قابل افسوس ہے، واضح رہے کہ قابل لحاظ عمر کے تفاوت کے ساتھ نکاح اگر جائز ضرورت کی تکمیل کے لئے ہو، یا دینی مفاد پیش نظر ہوتو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نکاح حضرت عائشہؓ سے نابالغی کی حالت میں دینی مقصد کے تحت ہوا، (۳) جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔

جڑواں بہنوں کا نکاح

ایسی جڑواں بہنیں جن کو ایک دوسرے سے الگ کیا جانا ممکن نہ ہو، تو ان کا نکاح کسی سے درست نہیں ہوگا؛

---

(۱) فقہی تجاویز، بموقع: گیارہواں فقہی سیمینار، منعقدہ: ۱۶-۱۹/اپریل ۱۹۹۹ء (مسئلہ کفاءت: ۱۷)، ط: ایفا پبلیکیشنز (نئی دہلی)۔

(۲) المغنی: ۱۸۶/۶۔

(۳) مسلم، حدیث نمبر: ۳۴۷۹۔

کیوں کہ اگر کسی ایک مرد سے نکاح کیا گیا تو ایک نکاح میں دو بہنوں کا جمع کرنا لازم آئے گا اور ایک نکاح میں دو بہنوں کا اجتماع حرام ہے، (النساء: ۲۳) اور اگر دو مردوں سے ان دونوں کا نکاح کیا جائے تو بے ستری بھی یقینی ہے اور نگاہ میں پڑ جانا بھی قریب قریب یقینی ہے، بس ان دونوں کے لئے صبر و برداشت ہی کا راستہ ہے، روزہ رکھیں، اس سے صنفی جذبات کو کمزور کیا جا سکتا ہے؛ تاکہ ان کے لئے برداشت کرنا ممکن ہو سکے۔

سمدھی سے نکاح

سمدھی اگر سمدھن کا محرم رشتہ دار نہیں ہے تو اس سے نکاح کر لینا جائز ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے محرم رشتہ دار عورتوں کے بیان کے بعد فرمایا: ''اور ان کے سوا تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں''۔ (النساء: ۲۴)

سوتیلے ماموں سے نکاح

سوتیلے ماموں سے نکاح جائز ہے؛ اس لئے کہ بھانجی اور سوتیلے ماموں کے درمیان حرمت کا رشتہ نہیں ہے، جو آپس میں نکاح کے لئے مانع ہے۔

سگی بھانجی سے نکاح

بسا اوقات لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں، شادی شدہ ہوتے نہیں؛ لیکن ان کا رشتہ زوجیت اپنی سگی بھانجی سے جڑا ہوتا ہے، اسی طرح آندھرا پردیش کے بعض علاقے میں جہالت اس حد تک عام ہے کہ مسلم سماج میں بھی ماموں اپنی سگی بھانجی سے شادی کرتے ہیں اور اس کو درست سمجھتے ہیں اور اسی طرح ان سے نسل چل رہی ہے —— معلوم ہونا چاہئے کہ جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے ان میں سے ایک سگی بھانجی بھی ہے اور یہ حرمت دائمی ہے، عارضی نہیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دائمی حرام عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ ...... وَ بَنٰتُ الْأُخْتِ'' (النساء: ۲۳) ''تم پر تمہاری مائیں ...... اور بھانجیاں حرام کی گئیں'' اور جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں، اسلام کے بعد بھی ان کی حرمت باقی رہتی ہے، پس اسلام کے بعد ایک دوسرے سے علاحدگی اختیار کر لینا ضروری ہوگا، اسلام سے پہلے سارے بچے حلال سمجھے جائیں گے اور گناہ بھی معاف؛ کیوں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کفر و شرک کی حالت کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔(۱)

جہاں تک مسلمان ماموں کا سگی بھانجی سے شادی کی بات ہے تو شرعی نقطۂ نظر سے تفصیل یہ ہے کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا، اس طرح کے نکاح پر جو لوگ قائم ہیں، وہ مستقل گناہ میں مبتلا ہیں، بدکاری کر رہے ہیں اور جو بچے

(۱) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''الإسلام يهدم ما كان قبله''۔

اس سے پیدا ہو چکے ہیں اور ہوں گے، سب ناجائز کہلائیں گے، ضروری ہے کہ دونوں جلد سے جلد علاحدگی اختیار کرلیں، جہالت کی وجہ سے جو گناہ ہوا ہے، اس سے توبہ واستغفار کریں، واضح رہے کہ جو اس نکاح کو جائز سمجھے، وہ کافر ومرتد ہے، اسے چاہئے کہ وہ اپنے ایمان کی تجدید کرے اور اس کفر سے توبہ کرے؛ تاکہ آخرت میں اللہ کی پکڑ اور عذاب سے بچ سکے۔

مرتد کا نکاح

ہمارے دینی رہنما اور علماء کی سست روی اور غفلت کی وجہ سے ہندوستان میں ارتداد کا فتنہ برپا ہے، اس میدان میں باطل پرست جتنے چست ہیں، حق پرست اتنے ہی سست اور آپسی جھگڑوں اور فروعی مسائل میں سرگرم ہیں، بہرحال فقہ اسلامی کی رو سے حکم شرعی یہ ہے کہ فسخ نکاح کے اسباب میں سے ایک سبب ردّت ہے؛ کیوں کہ اختلاف دین کی وجہ سے رشتۂ نکاح ختم ہوجاتا ہے،(۱) فقہاء نے اس سلسلہ میں درج ذیل تفصیلات واحکام لکھے ہیں :

اگر ردّت کا واقعہ نکاح کے بعد ہم بستری سے پہلے پیش آیا، تو فوری نکاح باطل ہوجائے گا، عورت پر کوئی عدت نہیں ہوگی اور زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے، دونوں مرتد ہوئے ہوں، یا کوئی ایک، بہر دو صورت دوبارہ اسلام قبول کرنے کے بعد سابق نکاح باقی نہیں رہے گا؛ بلکہ نکاح کی تجدید ضروری ہوگی اور اگر ارتداد کا واقعہ ہم بستری کے بعد پیش آیا، تو معاملہ عدت گذرنے پر موقوف ہوگا، دونوں میں سے جو بھی مرتد ہو، وہ عورت کی عدت گذرنے سے پہلے تائب ہوجاتا ہے، تو دونوں سابق نکاح پر باقی ہیں اور اگر تائب نہیں ہوتا ہے، یہاں تک کہ عدت گذر جاتی ہے تو نکاح فسخ ہوجائے گا، اب دوبارہ اسلام کی طرف عود کرنے کی صورت میں نکاح کی تجدید کرنی ہوگی۔

مسلمان عورت کے ساتھ کافر مرد اور کافر عورت کے ساتھ مسلمان مرد کی شادی

آج کل مسلمان لڑکیوں کے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ فرار اور شادی کے واقعات کثرت سے پیش آرہے ہیں، اکّا دُکّا واقعات اس کے خلاف بھی پیش آرہے ہیں، دوسری طرف بعض سیکولر ذہن کے مسلمان غیر مسلم عورتوں سے شادی کرکے دونوں میاں بیوی اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہوتے ہیں، یہ سب دین سے دوری اور مذہب بیزاری کا نتیجہ ہے، ورنہ مسلمان عورت کے ساتھ کافر مرد اور کافر عورت کے ساتھ مسلمان مرد کی شادی حرام ہے،

---

(۱) ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ '' (آل عمران:۱۹) ''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے''، ''وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ'' (آل عمران:۸۵) ''اس فرمانبرداری اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد رہے گا''۔

اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے،(۱) اور شرعی نصوص کی رو سے اس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۔ (البقرۃ:۲۲۱)

اور مشرک عورتیں جب تک مسلمان نہ ہوجائیں، ان سے نکاح نہ کرو اور ایک مسلمان باندی بھی (آزاد) مشرک خاتون سے بہتر ہے، گو وہ تم کو پسند ہو اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے جب تک وہ مسلمان نہ ہوجائیں، نکاح نہ کرو۔

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ... وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ۔ (الممتحنۃ:۱۰)

پس اگر ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو، نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں ...... اور تم کافر عورتوں کے ساتھ تعلقات کو باقی مت رکھو۔

پس مسلمان عورت کافر مرد کے ساتھ اور مسلمان مرد کافر عورت کے ساتھ مسلسل گناہ میں مبتلا ہیں، اولاً دوسرے فریق کافر کو اسلام پر آمادہ کیا جائے، اگر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو دوبارہ نکاح کر کے اسلام کے مطابق زندگی گذاریں، اگر وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو ان سے علاحدگی اختیار کر لی جائے، ورنہ کل آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

موجودہ اہل کتاب سے نکاح

اس سلسلہ میں پہلی بات متفق علیہ ہے کہ کسی مسلمان لڑکی کا کسی اہل کتاب لڑکے سے خواہ وہ یہودی ہو، یا عیسائی، نکاح کرنا حرام وناجائز ہے، جہاں تک مسلمان لڑکے کی کسی کرسچیئن یا یہودی لڑکی سے شادی کرنے کی بات ہے تو اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے :

(الف) جو لوگ نام کے عیسائی اور یہودی ہوں؛ لیکن عقیدہ کے اعتبار سے خدا کے وجود، نبوت ووحی اور ملائکہ وغیرہ کے قائل نہ ہوں، وہ ملحد ہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں، گو خاندانی نسبت کی بنا پر وہ یہودی یا نصرانی کہلاتے ہوں۔

(۱) درمختار مع ردالمحتار: ۲/ ۲۹۸، اسلامی فقہ اکیڈمی، مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے: ۹۷۔

(ب) جولوگ مذہبی اعتبار سے واقعی یہودی یا عیسائی ہوں، گوحضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ٹھہراتے ہوں؛ لیکن عفت وعصمت اور پاکدامنی کا ان کے یہاں لحاظ نہ ہو، تو ایسی عورتوں سے کسی مسلمان مرد کا نکاح کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ قرآن میں پاک دامن کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت ہے۔(۱)

(ج) جولوگ واقعی اہل کتاب ہوں اوران کی عورتوں کے بارے میں پاکدامن ہونے کا گمان ہو؛ لیکن وہ مسلم ملک نہ ہو؛ بلکہ غیر مسلموں کو غلبہ حاصل ہوتو ایسی جگہ کتابیہ عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، (۲) ''یکرہ تزوج نساء أھل الحرب من الکتابیات''۔(۳)

کمیونسٹوں سے نکاح

موجودہ دور میں کمیونزم نظریہ سے متاثر حاملین بہت لوگ ہیں، ان میں کچھ مسلمان بھی ہیں، اس سلسلہ میں فقہ اسلامی کی رُو سے دو باتیں ہیں :

اول : کمیونزم ایک مستقل نظام حیات ہے، فکر واعتقاد سے لے کر معیشت تک ہر باب زندگی میں اپنا ایک مستقل تصور ونظریہ کا حامل ہے، پس اگر کوئی اس کی فکری بنیاد الحاد، مذہب، بیزاری اور انکارِ آخرت اور اس کے دیگر تمام نظریات کے ساتھ کمیونسٹ ہو، تو وہ مسلمان ہی باقی نہیں رہتا ہے اور نہ ہی اس کا شمار اہل کتاب میں ہی کیا جاسکتا، وہ ملحد و کافر ہے، اس سے نکاح مطلق ناجائز وحرام ہے۔

دوم : ہاں اگر وہ محض معاشی حد تک انفرادی ملکیت کا قائل ہو اوران قرآنی آیات کا جن سے ذاتی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے، تاویل کرے، تو اس کا شمار کافروں میں نہیں ہوگا، وہ بدعتی مسلمان کے حکم میں ہوگا، اس سے نکاح جائز ہوگا۔(۴)

قادیانی سے نکاح

جولوگ اسلام سے قادیانیت کی طرف گئے ہیں، وہ مرتد و کافر ہیں، ان سے نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، جہاں تک نسلی قادیانی کا مسئلہ ہے تو وہ زندیق ہیں، ان سے بھی نکاح درست نہیں، (۵) پس کسی مسلمان عورت کا قادیانی مرد سے اور کسی مسلمان مرد کا قادیانی عورت سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔

---

(۱) ''وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ''(المائدۃ:۵)''نیز ان لوگوں میں سے بھی پاک دامن عورتیں حلال ہیں، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی''۔

(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۸۳-۲۸۴، کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۳۵۴-۳۵۵، از: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

(۳) احکام القرآن للجصاص: ۱/ ۳۲۲۔ (۴) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۸۶۔

(۵) ''المناکحة بین أھل السنة وأھل الاعتزال لا یجوز''(خلاصۃ الفتاویٰ: ۲/ ۶)۔

عدالتی نکاح

ہمارے ہندوستان میں عدالتی نکاح کی مروجہ صورت یہ ہے کہ مرد وعورت رجسٹرار کے پاس نکاح نامہ پر صرف دستخط کردیتے ہیں، نکاح ہوجاتا ہے، خواہ وہاں گواہان موجود ہوں، یا موجود نہ ہوں اور عاقدین ایجاب وقبول زبانی کریں، یا نہ کریں، غرضیکہ قانوناً نکاح منعقد ہونے کے لئے زبانی ایجاب وقبول اور گواہان کی موجودگی ضروری خیال نہیں کی جاتی ہے، فقہ اسلامی کی رُو سے اس طرح کا نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ شرعاً نکاح منعقد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عقد نکاح کی مجلس میں دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں موجود ہوں اور عاقدین قوت گویائی رکھتے ہوں تو ایجاب وقبول کا تلفظ زبان سے کرنا ضروری ہے، پس اگر یہ شرطیں رجسٹرار کے پاس مکمل پائی جائیں تو نکاح صحیح ہوگا اور ان دونوں کے ازدواجی تعلقات حلال ہوں گے، ورنہ نکاح فاسد ہوگا اور ازدواجی تعلقات حرام ہوں گے۔

نکاح کے رجسٹریشن کرانے کی فقہی حیثیت

نکاح کا رجسٹریشن خواہ سرکاری ہو یا پرائیوٹ، فی الجملہ اسلام کے مزاج اور اس کی روح کے خلاف نہیں ہے؛ بلکہ شرعاً یہ پسندیدہ عمل ہے؛ البتہ رجسٹریشن کو نکاح کے انعقاد کے لئے ضروری قرار دینا قطعاً درست نہیں ہوگا، خواہ یہ لزوم حکومت کی طرف سے ہو یا کسی سوسائٹی کی جانب سے؛ بلکہ یہ شریعت اسلامیہ میں کھلی مداخلت ہوگی؛ اس لئے کہ قرآن وحدیث میں اور ان دونوں سے ماخوذ فقہ اسلامی میں نکاح کے انعقاد کے لئے جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں، ان میں نکاح میں لزومی طور پر رجسٹریشن کرانے کا ذکر نہیں ہے، نکاح منعقد وصحیح ہونے کے لئے اتنا ضروری ہے کہ عاقدین ایک دوسرے کے محرم رشتہ دار نہ ہوں، عقد نکاح کے وقت دو مسلم مرد یا ایک مسلم مرد اور دو مسلم عورتوں کو گواہ بنالیا جائے اور عاقدین ایجاب وقبول کو زبان سے ادا کریں، اگر وہ گونگے نہ ہوں، اب رجسٹریشن کی شرط لگانا اپنی طرف سے ایک نئی شرط کا اضافہ کرنا ہے، اس طرح بعض وہ نکاح جو شرعاً درست ہوں؛ لیکن اس شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے نادرست قرار پائیں گے۔

جہاں تک حکومت کی طرف سے یہ قانون سازی کیا جانا کہ شہادت وثبوت کی خاطر رجسٹریشن نہیں کرانے کو تعزیری جرم قرار دیا جائے اور اس کے لئے کوئی سزا تجویز کی جائے، تو فقہ اسلامی کے لحاظ سے معمولی قسم کی تعزیر کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ اس میں بہت سے مصالح ہیں اور سب سے بڑی مصلحت ''دین مہر'' کے سلسلہ میں نزاع کے وقت ایک واضح ثبوت کی فراہمی ہے، اس کے پیش نظر حکومت کے لئے ایسی قانون سازی درست

ہوگی اور جب ہم اس کو دائرۂ قانون میں لانے کی اجازت دیں گے، تو ضروری ہے کہ اس کی تنفیذ کے لے ''تعزیر وسرزنش'' کا بھی حق دیں۔(۱)

مسلم سماج میں تعدد ازدواج

ہندوستان میں عام طور پر یہ تأثر پایا جاتا ہے کہ مسلم سماج میں تعدد ازدواج کا رواج زیادہ پایا جاتا ہے اور فرقہ پرست جماعتیں بھی اس پروپیگنڈہ کو زیادہ ہوا دیتی ہیں، جب کہ حقیقت اس کے خلاف ہے اور ہندوستان کی دوسری قوموں جیسے ہندو، جین، بدھسٹ اور قبائلی لوگوں میں تعدد ازدواج کا تناسب زیادہ ہے اور سب سے کم تناسب مسلمانوں میں ہے، جیسا کہ ڈاکٹر شائستہ پروین نے اپنی (پی ایچ ڈی) کے مقالہ میں مختلف سروے کی رپورٹوں کی روشنی میں لکھا ہے، (۲) معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا کے تمام ہی مذاہب میں تعدد ازواج کی اجازت منقول ہے، بائبل میں داعیان توحید اور پیغمبرانِ حق حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام اور متعدد پیغمبروں کی ایک سے زیادہ بیویوں کا ذکر موجود ہے، ہندو مذہب میں شری رام جی کے والد کی ایک سے زیادہ بیوی کا ذکر ملتا ہے اور شری کرشن جی کی تو سینکڑوں بیویوں کا ذکر آتا ہے۔(۳)

جہاں تک شرعی نقطۂ نظر کی بات ہے تو جہاں اس میں مجموعی طور پر عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت اوران کی کی عفت وعصمت کی ضمانت ہے اور بعض حالات میں ان کے لئے باعث رحمت ہے نہ کہ باعث زحمت، دیکھئے! جہاں کہیں قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے ایک سے زائد نکاح کی ممانعت کی گئی، وہاں غیر قانونی تعدد ازدواج کا ایسا طوفان اُٹھا ہے کہ شیطان بھی ان کو دیکھ کر شرماتا ہوگا، موجودہ دور کا مغربی سماج اس کی کھلی ہوئی مثال ہے، اسلام نے مردانہ فطرت وقوی کی رعایت کرتے ہوئے اس کی گنجائش رکھی ہے؛ لیکن اس کو نہ واجب وضروری قرار دیا ہے اور نہ مستحب ومرغوب، مزید برآں اس کی اجازت ہر مرد کے لئے مطلق نہیں ہے؛ بلکہ شریعت اسلامیہ نے اس کے لئے بعض قیود وحدود مقرر کی ہیں جن کی رعایت کے ساتھ اجازت ہے اور وہ قیود یہ ہیں :

(الف) زیادہ سے زیادہ چار تک۔(۴)

(ب) سنجیدہ جذبہ کے تحت ایک ضرورت کی تکمیل مقصد ہو، محض چند روزہ ہوس پرستی مقصد نہ ہو۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب الفتاویٰ: ۴ / ۴۴۷-۴۵۶، از: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

(۲) مسلم پرسنل لا اور بعض غلط فہمیاں: ۳۷-۳۸۔

(۳) دیکھئے: تفسیر ماجدی: ۱ / ۷۰۸-۷۰۹، آسان تفسیر: ۱ / ۲۹۰۔

(۴) النساء: ۳۔

(ج) آدمی محسوس کرے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل برت سکے گا، اگر ظلم کا اندیشہ ہو تو ایک سے زائد شادی کرنا گناہ ہے اور اس کے لئے ایک بیوی پر اکتفاء کر لینا واجب ہے۔(۱)

(د) سب کے نان ونفقہ، سکنی یعنی رہائش اور مہر کی ادائیگی پر قدرت ہو۔(۲)

ان اُمور کی رعایت کے ساتھ دوسرے نکاح کی اجازت ہے، اگر ان اُمور کی رعایت نہ ہو سکے تو دوسرا نکاح کرنا گناہ اور ایک ہی پر اکتفا کر لینا واجب ہے، اس کے باوجود دوسرا نکاح کر لیا گیا تو قانوناً نکاح منعقد ہو جائے گا اور نکاح کے شرعی احکام جاری ہوں گے۔

نوشہ کو شادی میں سہرا باندھنا اور ہاتھ میں چاقو پکڑنا

نکاح ایک عبادت ہے، نبی کریم ﷺ (۳) اور دیگر سابق انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے، (۴) اور جو عمل سنت سے ثابت ہو، اس کو سنت کے طریقہ پر کرنا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنا دین میں نئی چیز کا اضافہ کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اُمورِ دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنے سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے، (۵) آپ ﷺ سے طریقۂ نکاح اور نکاح سے متعلق تفصیلی احکام حدیث پاک اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن میں نوشہ کو سہرا باندھنے اور نکاح کے دن اس کے ہاتھ میں چاقو لینے کا ذکر نہیں ہے، یہ جاہلانہ رسم ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہئے، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ ہندووانہ رسم و رواج ہے، اصل میں جو لوگ ہندوؤں سے مسلمان ہوئے، وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے بہت سے ہندووانہ طور وطریق پر عمل پیرا رہے، ان ہی میں سے

---

(۱) ''فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً'' (النساء: ۳) ''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو''۔

(۲) حسب حال واستطاعت بیوی کا نفقہ اور رہائش کا انتظام مرد پر واجب ہے: ''لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰـهُ اللّٰهُ لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰـهَا'' (الطلاق: ۷) ''خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نفقہ دے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو، وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے، اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلف نہیں کرتا''، ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ'' (الطلاق: ۶) ''ان کو اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو'' مہر کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: ''فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً'' (النساء: ۲۴) ''اس کے بدلے ان کے مہر بطور فرض ادا کرو''، ''وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً'' (النساء: ۴) ''اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو''۔

(۳) ''النکاح سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منا رواہ ابن ماجه'' (کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۴۴۷)۔

(۴) رواہ الترمذی (ترغیب والترہیب: ۴۶/۳)۔

(۵) ''من أحدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد'' (مسلم: ۲/ ۷۷، عن عائشة)۔

نوشہ کو شادی میں سہرا باندھنا بھی ہے،(۱)اس اعتبار سے یہ قدیم زمانہ سے ہندوؤں کا ثقافتی ورثہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے غیر قوموں کی مخصوص تہذیب وثقافت اپنانے سے منع فرمایا ہے: ''**من تشبه بقوم فهو منهم**''(۲) (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے)۔

دُلہن کو وداعی سہرا باندھنا اور رُخصتی کے وقت قرآن کا سایہ

آج کل مسلم سماج میں دُلہن کو وداعی سہرا باندھا جاتا ہے، اسی طرح لڑکی پر رُخصتی کے وقت قرآن کا سایہ کیا جاتا ہے، ان دونوں عمل کی شرعی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے، یہ محض رسم ورواج ہے،(۳)اس لئے اس طرح کے عمل سے اجتناب کرنا چاہئے، جیسا کہ تفصیل سے پیچھے بیان آچکا ہے۔

نکاح کے وقت نوشہ سے کلمہ پڑھانا

بعض جگہوں پر نکاح کے وقت قاضی صاحب ایجاب وقبول سے پہلے نوشہ سے کلمہ پڑھاتے ہیں، نکاح منعقد ہونے کے لئے نوشہ سے کلمہ پڑھانا ضروری نہیں ہے، تاہم قاضی صاحب کو جس نوشہ کے بارے میں کفریہ کلمات نادانستہ یا دانستہ بولنے کا اندیشہ ہو، یا جس علاقہ میں لوگوں کے کفریہ کلمات بولے جانے کا شبہ ہو تو وہاں بربناء احتیاط نکاح کے وقت تجدید ایمان کا اہتمام کرایا جائے اور اس مقصد کے لئے کلمہ پڑھوایا جائے؛ تاکہ نکاح کے درست ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، جہاں اس طرح کا اندیشہ نہ ہو، وہاں اس طرح کلمہ پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔(۴)

مہر فاطمی کی شرعی حیثیت

شرعی نقطۂ نظر سے مہر کا مالِ متقوم یعنی قابل قیمت مال ہونا ضروری ہے؛(۵) کیوں کہ قرآن نے مہر کے لئے مال کا لفظ استعمال کیا ہے: ''**اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ**'' (النساء: ۲۴) ''تم انھیں اپنے مال کے ذریعہ تلاش کرو''، اللہ تعالیٰ نے جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں مقررہ مہر کا نصف ادا کرنے کا حکم دیا: ''**فَنِصْفُ مَا**

---

(۱) آپ کے مسائل اوران کا حل: ۵/ ۲۰۰-۲۰۱۔

(۲) مسند احمد: ۲/ ۵۰۔

(۳) دیکھئے: کتاب الفتاویٰ: ۱/ ۳۹۷، آپ کے مسائل اوران کا حل: ۵/ ۲۰۲۔

(۴) کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۴۴۳۔

(۵) بدائع الصنائع: ۴/ ۵۶۔

فَرَضْتُمْ ''(البقرۃ:۲۳۷)''تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے،اس کا آدھا واجب ہے''، ظاہر ہے کہ مہر مال ہوگا،تب ہی اس کی تقسیم ممکن ہوگی،(۱)اسی طرح شرعاً کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم ہے اس سے کم نہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''لا مهر دون عشرة دراهم ''(۲)زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے؛البتہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مہر پانچ سو درہم سے زیادہ نہ ہو، جو آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کا مہر تھا،(۳)شریعت کی ہدایات اور نبوی معمولات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہر اتنا زیادہ نہ ہو کہ شوہر ادا ہی نہ کر پائے اور اتنا کم بھی نہ ہو کہ جس کی کوئی حیثیت نہ ہو؛ بلکہ معتدل رقم ہو،جس میں شوہر کی آمدنی اور بیوی کے خاندانی مہر دونوں کی رعایت ہو۔(۴)

جہاں تک مہر فاطمی کی بات ہے تو موجودہ اوزان کے اعتبار سے اس کی مقدار (۱۵۴) تولہ ہے، (۵) اور شرعی اعتبار سے بقول امام نوویؒ کے کہ مہر فاطمی مقرر کرنا مستحب ہے بشرطیکہ مرد میں اس کی ادائیگی کی طاقت ہو۔

دعوت میں خواتین کے دسترخوان پر مرد ویٹر

شادی خانہ میں دعوت کے موقع سے خواتین کے دسترخوان پر مرد ویٹر کھانا رکھتے ہیں،شرعاً یہ صورت درست نہیں ہے؛ کیوں کہ غیر محرم کے سامنے بے پردگی ہوتی ہے اور عام حالات میں غیر محرم کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے اور اس موقع سے عورتیں نئے کپڑے میں ملبوس ہوتی ہیں اور زیبائش و آرائش سے آراستہ ہوتی ہیں،جس کی وجہ سے فتنہ اور بدنگاہی کا اندیشہ زیادہ ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ خواتین کے دسترخوان پر خواتین ویٹر مقرر کریں؛ تاکہ شادی جیسے مبارک اور خوشی کے موقع پر اللہ کے غضب اور ناراضگی کو دعوت دینے والے عمل سے بچ سکیں۔

نکاح میں گانا بجانا

اسلام نے خوشی کے موقع پر خوشی کے اظہار سے منع کیا ہے؛البتہ اس کا سلیقہ بتایا ہے اور دائرہ مقرر کیا ہے؛ چنانچہ شادی کی تقریب میں ایک حد تک اچھے اور اخلاقیات پر مبنی اشعار پڑھنے اور دُف بجانے کی

(۱) بدائع الصنائع:۵۶۴۔

(۲) بیہقی:۷/۱۳۳،دارقطنی:۳/۲۴۵،نیز حضرت عمرؓ،حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے:''لا يكون أقل من عشرة دراهم ''(بدائع الصنائع:۲/۵۶۲)۔

(۳) المجموع شرح المہذب:۱۶/۳۲۷۔

(۴) ملاحظہ ہو: کتاب الفتاویٰ:۴/۳۸۸۔

(۵) جدید فقہی مسائل:۱/۲۹۴۔

اجازت دی ہے،(۱) اور ایسی گیت اور غزل سے منع کیا ہے، جو بُرے خیالات کو جنم دے، سینوں میں فتنہ کا بیج بوئے اور نفسانی شہوت کو برانگیختہ کرے اور جس میں جام و مئے اور گناہوں کا ذکر ہو؛ کیوں کہ یہ تمام چیزیں جس طرح دوسرے موقعوں پر حرام ہیں، اسی طرح نکاح کے موقع سے بھی حرام ہیں، اسی طرح طبلہ ڈھولک، سارنگی، ہارمونیم، مزامیر اور باجے سے ہم آواز گانے حرام ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں سے سختی سے منع فرمایا ہے۔(۲)

نکاح کے بعد رُخصتی میں تاخیر

ہمارے مسلم سماج میں ایک رواج یہ بھی ہے کہ بعض اوقات نکاح کے بعد لڑکی کی رُخصتی عمل میں نہیں آتی ہے، سال دو سال بعد رُخصت کی جاتی ہے، اس سلسلہ میں فقہ اسلامی کی رہنمائی یہ ہے کہ اگر دُلہا دُلہن دونوں بالغ ہیں تو نکاح کے بعد لڑکی کو رُخصتی کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، شادی کے بعد تجرد کی زندگی گذارنا نکاح کے مقصد کے مغائر ہے؛ کیوں کہ نکاح کا مقصد عفت وعصمت کی حفاظت ہے اور یہ مقصد لڑکی کی رُخصتی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، ہاں اگر کسی مصلحت کی وجہ سے زوجین کی رضامندی سے رُخصتی میں تاخیر ہو تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت عائشہؓ سے نکاح پہلے ہوا اور چند سال کے بعد رُخصتی ہوئی۔(۳)

نکاح میں شرط اور مشروط مہر

نکاح میں شرط اور مشروط مہر کے بارے میں فقہ اسلامی کی رہنمائی یہ ہے :

(۱) نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں، جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق ہی کو مؤکد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں اور ان کو پورا کرنا واجب ہے۔

---

(۱) چنانچہ محمد بن طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حلال وحرام کے درمیان فاصل نکاح میں دف اور آواز کا ہونا ہے'' (ترمذی، نکاح باب فی اعلان النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۸) لیکن موجودہ دور میں اس کی اجازت سے بہت سے مفاسد کے دروازے کھل جانے کا اندیشہ ہے اور بات دف سے طبلہ وسارنگی اور مزامیر تک پہنچ جائے گی؛ اسی لئے بعد کے بعض فقہاء نے از راہ احتیاط خود دف کے استعمال کو بھی نکاح کے موقع سے منع کیا ہے، (البحر الرائق: ۳؍۱۴۳) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے بھی یہی ہے، ان کے الفاظ اس طرح ہیں: ''ہمارے زمانے میں دف کی اجازت سے قوی اندیشہ ہے؛ بلکہ مشاہدہ ہے کہ ان ساری برائیوں کو راہ مل جاتی ہے، اس لئے ہمارے زمانے میں اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے اور اس سے بچنا چاہئے'' (جدید فقہی مسائل: ۱؍۲۹۲-۲۹۳، قاموس الفقہ: ۳؍۴۲۶) اسی طرف حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بھی رجحان ہے۔(امداد الفتاویٰ: ۲؍۲۹۱)

(۲) خلاصۃ الفتاویٰ: ۴؍۳۴۵۔

(۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۴۷۹۔

(۲) نکاح کے وقت ایسی شرائط عائد کرنا جوعقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہیں، یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو، غیر معتبر ہیں، جیسے: شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا، یا جہیز وتلک کی شرط لگانا۔

(۳) نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے ان کو لازم وواجب قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے، تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔(۱)

شادی کے بعد غیر محرم عورتوں کو سلام اور دُلہن کی منھ دکھائی

نکاح کے بعد نوشہ دُلہن کے گھر جاتا ہے اور آنگن میں کھڑے ہو کر گھر کی تمام خواتین کو سلام کرتا ہے، پھر اسے تحفہ اور پیسہ دیا جاتا ہے، اسی طرح دُلہن جب نوشہ کے گھر آتی ہے تو ایک رسم منھ دکھائی یا رونمائی ہوتی ہے، اس سلسلہ میں فقہ اسلامی کی رو سے حکم شرع یہ ہے کہ نوشہ کا غیر محرم عورتوں کے درمیان جانا اور ان کو سلام کرنا، اسی طرح منھ دکھائی کی رسم میں غیر محرم مردوں کا دیکھنا سب ناجائز ہیں؛ کیوں کہ اس میں بے پردگی اور بدنگاہی کا گناہ ہوتا ہے اور فتنہ کا اندیشہ مزید برآں اپنی جگہ ہے۔

نابالغ کا خیارِ بلوغ

باپ دادا کے سوا کسی ولی نے نابالغ کا نکاح کفو کے ساتھ مہر مثل پر کر دیا ہو تو یہ نکاح درست تو ہو جائے گا؛ البتہ لازم نہیں ہوگا، یعنی نابالغ خواہ لڑکی ہو، یا لڑکا کو بالغ ہونے پر جب عقد نکاح کا علم پہلے سے تھا، یا بلوغ کے وقت نکاح کا علم ہوا، یا بلوغ کے وقت نکاح کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے، بلوغ کے بعد عقد نکاح کا علم ہوا، تو ان تمام صورتوں میں اختیار ہوگا کہ اس نکاح کو باقی رکھے یا خیار بلوغ کے حق کی بنا پر اس کو فسخ کرائے۔(۲)

ہندوستان میں نابالغ کے نکاح کا رواج زیادہ تر پسماندہ وجاہل اور علم دین سے ناآشنا اور دیہاتیوں کے حلقہ میں ہے اور ان کی جہالت اور پسماندگی، نیز ان موقعوں پر حرص یا مجبوری اکثر اوقات ان کے اختیارات کا غلط استعمال کراتی ہے، اس لئے مناسب ہوگا کہ اس مسئلہ میں قاضی شریح کی رائے اختیار کی جائے اور باپ دادا کے نکاح کرنے کے باوجود نابالغ کو خیارِ بلوغ کا مستحق قرار دیا جائے، نیز فقہ اسلامی کا اُصول ہے کہ حاکم وقاضی کا تصرف رعایا، یتیم اور اوقاف کی جائیداد کے بارے میں مصلحت ومفاد سے مربوط ہے :

---

(۱) آٹھواں فقہی سیمینار، مؤرخہ: ۲۳-۲۴/ اکتوبر ۱۹۱۵ء کی تجاویز (نکاح میں شرط اور مشروط مہر: ۲۴)۔

(۲) جدید فقہی مسائل: ۳/ ۱۱۵۔

تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة ... تصرف القاضی فی ماله فعله فی أموال الیتامٰی والزکات والأوقاف مقید بالمصلحة ۔ (۱)

اسی طرح ہر ذمہ دار ولی کا تصرف اس کے ماتحتوں کے بارے میں مصلحت و مفاد کے ساتھ جڑا ہوا ہے؛ لہٰذا ایک باپ کا تصرف اس کی نابالغ بچی کے بارے میں بچی کی خیر خواہی و مفاد سے وابستہ ہوگا، پس اگر بچی کے مفاد میں والد کا طے کردہ نکاح نہیں ہوگا تو اسے خیار بلوغ حاصل ہوگا، اسی بنا پر فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر باپ دادا نے نابالغ لڑکی کا نکاح سوء اختیار کے ساتھ کردیا، جیسے کسی فاسق یا بدمعاش سے کردیا تو بلوغ کے بعد اسے خیار ہوگا کہ چاہے نکاح کو باقی رکھے، یا فسخ کردے۔(۲)

کیا بہو پر سسرال والے کی خدمت واجب ہے؟

شریعت کے احکام کے دو درجے ہیں: ایک اخلاقی و احسانی، دوسرے: فقہی و قانونی، کچھ احکام ایسے ہیں جن کو بروئے کار لانا دیانتاً واجب ہے، یعنی ان کی تعمیل کرنا واجب ہے نہ کرنا موجب گناہ؛ البتہ انسان کو ان کاموں کو کرنے پر قانوناً مجبور نہیں کیا جاسکتا، اس طرح کے احکام کو اخلاقی و احسانی احکام کہتے ہیں اور بہت سے احکام وہ ہیں، جن کا کرنا قانوناً واجب ہے، اگر انسان نہ کرے تو جہاں وہ گنہگار ہوگا وہیں قانوناً بھی اُسے مجبور کیا جائے گا، اس طرح کے احکام کو قضائی احکام بھی کہتے ہیں۔

لہٰذا اگر میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کی خدمت کا لازماً محتاج ہو، یعنی خود اس کام کے کرنے پر قادر نہ ہو اور دوسرا شخص دستیاب نہ ہو، یا دستیاب ہو؛ لیکن اس سے یہ خدمت نہیں لی جاسکتی ہو تو ایسی صورت میں زوجین میں سے ہر ایک پر دوسرے کی خدمت قانوناً واجب ہے اور اگر شوہر اپنی اس خدمت میں بیوی پر منحصر نہ ہو؛ بلکہ دوسرے ذرائع سے بھی اپنی اس ضرورت کو پوری کرسکتا ہو تو ایسی صورت میں بیوی پر شوہر کی خدمت قانونی درجہ میں واجب نہیں؛ لیکن اخلاق و دیانت کے پہلو سے واجب ہے اور اگر وہ اس کی خدمت نہ کرے تو گنہگار ہوگی۔(۳)

اسی طرح شوہر پر بھی واجب ہے کہ اگر عورت اپنی صحت کے اعتبار سے گھر کا کام کاج کرنے کے لائق نہ ہو تو اسے مجبور نہ کرے اور اگر وسعت ہو تو کسی کام کرنے والے کا انتظام کرے۔(۴)

(۱) الأشباہ والنظائر، لابن نجیم مصری: ۱/ ۱۲۳-۱۲۵۔ (۲) درمختار ورد المحتار، باب الولی: ۴/ ۱۷۱، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند۔

(۳) ''إن هذه الأعمال واجبة عليها ديانة و إن كان لا يجبرها القاضی'' (ہندیہ: ۱/ ۵۴۸) علامہ شامی نے بھی یہی لکھا ہے: ''فيفتى به و لكنها لا تجبر عليه إن أبت'' (ردالمحتار: ۵/ ۲۹۱)۔

(۴) ردالمحتار: ۵/ ۲۹۱۔

شوہر کے والدین کی خدمت عورت پر اس وقت دیانتاً واجب ہوگی، جب کوئی اور خدمت کرنے والا میسر نہ ہو، اگر کوئی دوسرا خدمت کرنے والا میسر ہو، تب بھی عورت کو چاہئے کہ اپنی ساس سسر کی خدمت سے دامن نہ کھینچے؛ کیوں کہ یہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ تعاون ہے؛ اس لئے کہ اصل میں والدین کی خدمت اس کے شوہر پر واجب ہے اور شوہر اپنی بیوی اور اس کے بچوں کی ضروریات کے لئے مشغول ہے تو اخلاق و دیانت کا تقاضا ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں شوہر کی مدد کرے۔

جہاں تک شوہر کے بھائی بہنوں اور دیگر افراد خاندان کی خدمت کی بات ہے تو یہ اس کی بیوی پر مطلق واجب نہیں ہے۔(۱)

دوائی میں دودھ ڈال کر پلانے سے حرمت رضاعت کا مسئلہ

اگر کوئی عورت اپنا دودھ دوائی میں ڈال کر دوسرے بچہ کو پلاتی ہے، تو ایسی صورت میں غلبہ کا اعتبار ہوگا، اگر دودھ غالب ہے تو حرمت رضاعت اس بچہ سے ثابت ہوجائے گی اور اگر دوا دودھ پر غالب ہے تو حرمت رضاعت اس بچہ سے ثابت نہیں ہوگی اور اگر دوا اور دودھ دونوں برابر ہوں تو احتیاطاً حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی؛ کیوں کہ اسلام کا ایک قانون ہے کہ جب حلال وحرام کا اجتماع ہو اور کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح کے لئے کوئی دلیل مرجح نہ ہو تو حرام کو غالب قرار دیا جاتا ہے۔(۲)

ویڈیو کی تصویر سے حرمت مصاہرت

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زنا اور دواعی زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے اور عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا دواعی زنا میں سے ہے، بشرطیکہ دیکھنا باعث شہوت و ہیجان بنا ہو اور بعینہٖ جسم کو دیکھا گیا ہو، اگر اس کی صورت یا اس کا عکس پانی یا آئینہ میں دیکھا گیا ہو تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے، (۳) ظاہر ہے کہ ویڈیو میں اس کی تصویر یا اس کے عکس کا مشاہدہ ہوتا ہے؛ اس لئے اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

خون اور اعضاء کی پیوندکاری سے حرمت کا مسئلہ

نکاح کی حرمت کا مسئلہ قیاسی نہیں ہے کہ دودھ پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے کہ جس طرح دودھ سے

(۱) تلخیص از: کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۴۰۹-۴۱۰۔

(۲) ''اذا اجتمع الحلال والحرام غلبت الحرام'' (الاشباہ والنظائر: ۱/ ۱۰۹)۔

(۳) ''لا تحرم بالمنظور إلى فرجها الداخل إذا رأه من مرأة أو ماء ؛ لأن المرئى مثاله بالانعكاس'' (درمختار مع ردالمحتار: ۴/ ۱۰۹-۱۱۰، نیز دیکھئے: البحرالرائق: ۳/ ۱۷۳)۔

انسانی جسم کونشوونما ہوتی ہے اور دودھ پلانے والی عورت کا ایک جزء دودھ پینے والے کے جسم میں جانے سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے، اسی طرح خون کے انتقال سے دوسرے جسم میں جانے کے بعد اس کا جزء ہوگیا، اس لئے اس سے بھی حرمت ثابت ہونی چاہئے ؛ کیوں کہ دودھ کا استعمال غذا کے طور پر ہوتا ہے اور خون کا انتقال دوا کے طور پر ہوتا ہے؛ اس لئے خون کو دودھ پر قیاس کرنا صحیح نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ حرمت نسبت ونکاح کا مسئلہ منصوص ہے عقلی نہیں، دودھ سے حرمت کے ثبوت کے بارے میں نص میں صراحت ہے اور خون کے انتقال سے حرمت کی صراحت نص میں نہیں ہے، غرضیکہ خون کے چڑھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اسی طرح اعضاء کی تبدیلی اور پیوندکاری سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

نس بندی

یعنی ایسا آپریشن جس سے دائمی طور پر قوت تولید فوت ہوجائے اور توالد وتناسل کی اہلیت باقی نہ رہے، زمانہ جاہلیت میں اختصاء کا عمل ہوتا تھا، اختصاء کا مطلب یہ ہے کہ فوطوں کی وہ گولیاں نکال دی جائیں، جو جنسی صلاحیت اور جنسی خواہشات کا اصل سرچشمہ ہے، جس کے نتیجہ میں تولید کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، حضور ﷺ نے اس سے بڑی سختی سے منع فرمایا اور اس کے حرام ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، (۱) اس اعتبار سے نس بندی کی حرمت پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق متصور ہوگا، اسی طرح اگر عورت کے ساتھ کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ وہ حاملہ نہ ہوسکے، تو وہ نس بندی کے حکم میں ہوگا اور حرام ہوگا ؛ کیوں کہ حرمت کی اصل وجہ قوت تولید کا فوت ہوجانا اور توالد وتناسل میں رکاوٹ ڈالنا ہے۔

اگر نس بندی ملک کی پوری آبادی مالدار اور غریب تمام طبقے کے لئے یکساں طور پر لازم ہو تو یہ شرعاً ناجائز وحرام ہوگا، اس طرح کے قانون کی مخالفت کی جائے گی، جیسا کہ ہندوستان میں ایک بار اندرا گاندھی کے دورِ حکومت میں حکومت کی طرف سے اس کی آواز اُٹھی تھی اور مسلمانوں نے اس کی مخالفت بھی کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت بیان فرمائی، جو افزائش نسل کو روکتے ہیں :

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۔ (البقرۃ:۲۰۵)

جب وہ حکومت پالیتے ہیں تو زمین میں اس بات کے لئے دوڑ دُھوپ کرتے ہیں کہ فساد برپا کریں اور کھیتوں اور جانوروں کو ہلاک وبرباد کردیں۔

---

(۱) اسی بنا پر اگر کسی نے کسی کو ''خصی'' کردیا تو اس پر وہی تاوان ہوتا ہے جو ایک آدمی کے قتل پر واجب ہوتا ہے، دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۵/ ۳۴۱، ہدایہ مع الفتح: ۱۰/ ۲۸۳، فتح الولی المالک: ۲/ ۲۹۰، نہایۃ المحتاج: ۴/ ۳۲۲، الاقناع: ۴/ ۲۲۸۔

ضبط تولید کی دوسری صورتیں

ضبط تولید کی ایک شکل نس بندی ہے، جس کا حکم اوپر گذرا، اس کے علاوہ دوسری اور صورتیں بھی ہیں جیسے سرجری کے ذریعہ استقرار حمل کو روکنا، مانع حمل دوا کا استعمال، عزل وغیرہ کا استعمال، یا اس جیسے دوسرے ذرائع کا استعمال، اس مسئلہ میں فقہ اسلامی کی رہنمائی یہ ہے کہ اجتماعی طور پر اس کو رواج دینا اور ترغیب دینا حرام و ناجائز ہوگا، جیسا کہ اوپر ذکر کردہ آیت میں اشارہ کیا گیا اور انفرادی طور پر بھی محض تلذذ اور معاشی نقطۂ نظر سے اختیار کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ'' (البقرۃ: ۱۸۷) ''اپنی بیویوں سے ہم بستری کرو اور تمہارے لئے اللہ نے جو مقدر فرمایا ہے، اسے تلاش کرو''، یعنی بیوی سے تمہارا تعلق محض شہوت پوری کرنے کے لئے نہ ہو؛ بلکہ حصول اولاد کے لئے ہو؛ کیوں کہ قدرت نے انسان کے اندر جو جنسی داعیہ رکھا ہے، اس کا بنیادی مقصد حصول اولاد کے ذریعہ نسل انسانی کی افزائش ہی ہے۔(۱)

ایڈز کی وجہ سے فسخ نکاح

اگر مرد ایڈز کا مریض ہو، مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون سے نکاح کرلیا تو ایسی صورت عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہوجائے اور خطرناک حد تک پہنچ جائے تو خاتون کے لئے فسخ نکاح کا حق ہوگا۔(۲)

جنون کی وجہ سے طلاق وفسخ نکاح

شوہر مجنون (پاگل) ہو تو عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہوگا یا نہیں، فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، امام محمدؒ کے نزدیک اس کو یہ اختیار ہوگا؛ تاکہ وہ اپنے آپ سے ضرر کو دُور کرسکے، (۳) مشائخ حنفیہ نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، (۴) فقہ اسلامی کا مشہور قاعدہ ہے: ''الضرر یزال'' (۵) انسان سے ضرر کو دور کیا جائے؛ کیوں کہ

(۱) انفرادی طور پر طبی اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے، جیسے: عورت کو کسی مہلک بیماری کا قوی اندیشہ ہو، بچہ کی پیدائش سے عورت کو موت کا خطرہ ہو، شیر خوار بچے کے لئے دودھ خشک یا متاثر ہونے کا اندیشہ ہو، یا زیر حمل بچہ کو نقصان سے بچانا مقصود ہو۔

(۲) تجاویز بموقع آٹھواں فقہی سیمینار، منعقدہ: ۲۲-۲۴/اکتوبر ۱۹۹۵ء، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ؛ کیوں کہ اللہ عالیٰ نے سورۂ طلاق آیت نمبر: ۶ میں فرمایا: ''ولا تضاروھن'' (ان عورتوں کو ایذا نہ دو)، نیز فرمایا: اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے نہ روکے رہو، اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا۔(بقرہ: ۲۳۱)

(۳) ہدایہ وعنایہ مع شرح فتح القدیر: ۴/۲۷۴۔　(۴) ہندیہ: ۱/۵۲۶، باب العنین　(۵) الاشباہ والنظائر لابن نجیم مصری: ۱/۸۶۔

عورت کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ اس کو تفریق کا حق دیا جائے، جس کے ذریعہ وہ اپنے حق کو حاصل کر سکے، بخلاف مرد کے کہ اگر بیوی کو جنون ہو تو وہ بیوی کو طلاق دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔(۱)

جذام و برص کی وجہ سے فسخ نکاح

امام محمدؒ کے قول پر عورت شوہر میں جذام و برص کی بیماری کی بنا پر قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے، تو قاضی اسی طرح یہاں بھی تفریق کر دے گا، جیسا کہ جنون کے بارے میں اوپر ذکر ہوا؛ بلکہ طحطاوی کے حسب تصریح قاضی ایسی بیماری اور عیب جس کے ساتھ بغیر ضرر کے عورت کے لئے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنی ممکن نہ ہو تو مرض جذام، برص اور جنون کے ساتھ ملحق کر کے مذکورہ بالا تصریح کے مطابق تفریق کر دے گا۔(۲)

لڑکی کے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کی بنا پر فسخ نکاح

اگر عورت بلا وجہ شرعی شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کرے تو وہ ناشزہ یعنی نافرمان ہے اور وہ شوہر کی طرف سے نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ شوہر کی فرمانبردار بیوی بن جائے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

> جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔(۳)

اگر کسی عذر شرعی جیسے ظلم و زیادتی وغیرہ کی وجہ سے شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہے، ایسی صورت میں سب سے پہلے قاضی دونوں کے درمیان حتی الامکان صلح کی کوشش کرے، اگر صلح ہوتی ہوئی نظر نہ آئے اور عورت شوہر سے اس حد تک متنفر ہو کہ ساتھ رہنے سے انکار پر مصر ہو تو قاضی شوہر سے طلاق دینے کا مطالبہ کرے، اگر وہ طلاق دینے کے لئے تیار نہ ہو تو قاضی معتبر اسباب فسخ کو سامنے رکھتے ہوئے نکاح فسخ کر دے سکتا ہے،(۴) اللہ تعالیٰ نے صلح کی ناکامی کی صورت میں شوہروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> وَّ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔ (البقرۃ:۲۳۱)

---

(۱) کتاب الفسخ والتفریق: ۱۱۲، از: مولانا عبد الصمد رحمانی۔

(۲) کتاب الفسخ والتفریق: ۱۱۷، از: مولانا عبد الصمد رحمانی۔

(۳) ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع: ۲۲۲۶، ترمذی، کتاب الطلاق، باب المختلعات: ۱۱۸۶۔

(۴) الحیلۃ الناجزۃ: ۱۳۳، از: مولانا اشرف علی تھانویؒ، بحوالہ فتویٰ العلامہ سعید بن صدیق الفلاتی المالکی، فتاویٰ قاضی خاں: ۱۴۹۔

اوران کوتکلیف پہنچانے کی غرض سے نہ روکے رہواور جوکوئی ایسا کرے گا وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشادفرمایا: ''لاضرر ولا ضرار'' (۱) کوئی کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔

مطلقہ کا نفقہ کب تک شوہر پر واجب ہے؟

حکومت ہند کی عدالت کے فیصلہ کے مطابق مطلقہ کا نفقہ شوہر پر تادمِ حیات واجب ہے، ہاں اگر وہ عورت دوسری شادی کرلےتو سابق شوہر کے ذمہ سے اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا، ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ اسلام کے خلاف ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے شوہر پر مطلقہ بیوی کی عدت کا نفقہ واجب ہوتا ہے، اسی طرح عدت تک عدت گذارنے کے لئے مکان کا فراہم کرنا بھی لازم ہوتا ہے؛ چنانچہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تین طلاق والی عورت کے لئے نفقہ اور سکنیٰ (رہائش گاہ) اس وقت تک ہے، جب تک کہ وہ عدت میں ہے۔(۲)

غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر بیوی کو طلاق دے کر الگ کرنے کا قانون نہ ہو، یا طلاق دینے کا قانون ہو؛ لیکن مطلقہ بیوی کو زندگی بھر نفقہ دینے کا قانون ہو، تو شوہر بیوی کو طلاق دینے کے بجائے اس کی زندگی کے درپے ہوجائے گا، نیز اس کی وجہ سے نکاح کی شرحیں کم ہوتی جائیں گی اور غیر قانونی یکجائیت اور فحاشی کو فروغ ملے گا، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مطلقہ عورت پہلے شوہر سے نفقہ حاصل کرنے کے لئے دوسرا نکاح نہ کرے اور بے راہ روی کو ترجیح دے۔

اسلام نے مطلقہ عورت کا نفقہ حسبِ مراتب اس کے متوقع وارثین پر واجب قرار دیا ہے، طلاق کے وقت اس کو مہر کی رقم ملتی ہے، جسے وہ کاروبار میں مشغول کرکے اپنے گذران کا نظم کرسکتی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ معاشرہ کو پاک رکھنے کی غرض سے ایسی عورت کو اسلام نے دوسری شادی کا حکم دیا ہے: ''أَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ'' (نور:۳۲) اور ہمارے مسلم سماج کی ذمہ داری ہے کہ مطلقہ عورتوں سے نکاح کو رواج دیں، جیسا کہ عرب میں آج بھی مطلقہ عورتوں کا نکاح کوئی مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی دشواری ہے۔

شوہر کے مفقود الخبر ہونے پر فسخ نکاح

ہندوستانی مسلم سماج میں بعض دفعہ شوہر لاپتہ ہوجاتا ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں مفقود الخبر کہتے ہیں،

---

(۱) مؤطاامام مالک، کتاب الاقضیہ، باب القضاء فی المرفق:۱۴۲۹، دارقطنی، کتاب البیوع:۲۸۸، ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقہ مایضر بجارہ:۲۳۴۰، مسند احمد:۲۸۶۷۔

(۲) ''المطلقة الثلاث النفقة والسكنى ما دامت في العدة'' (دارقطنی:۲۱/۴)۔

یعنی اس طرح لا پتہ ہوگیا کہ اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ آیا وہ زندہ ہے جس کی واپسی کی اُمید رکھی جائے ، یا مر چکا ہے،(۱) ایسی صورت میں مفقود الخبر کی بیوی کے شرعی دار القضاء میں استغاثہ داخل کرنے پر قاضی شریعت مقدمہ کی کارروائی پوری کرنے کے بعد نفقہ کی عدم ادائیگی یا معصیت میں مبتلا ہونے کے خوف کو بنیاد بنا کر ایک سال کی مدت گذارنے کے بعد تفریق کردے گا۔(۲)

شوہر کے غائب غیر مفقود ہونے کی بنا پر فسخ نکاح

ہمارے ہندوستانی مسلم سماج میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر گھر سے بھاگ جاتا ہے، لا پتہ ہوتا ہے، پورا پتہ معلوم ہوتا ہے؛ لیکن عملاً وہ حقوق زوجیت اور نفقہ ادا نہیں کرتا ہے، اس وجہ سے اس میں اور مفقود الخبر میں کوئی فرق نہیں، ایسی صورت میں اگر بیوی دار القضاء میں اپنا استغاثہ داخل کرے اور شوہر سے حقوق زوجیت اور نفقہ کا مطالبہ کرے تو قاضی اس مقدمہ سے متعلق ضروری کارروائی کے بعد شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دے گا، اس کے بعد تفریق کردے گا۔(۳)

غیر مسلم جج کے ذریعہ فسخ نکاح

قاضی کو مسلمانوں پر عمومی ولایت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے اور غیر مسلم کو مسلمانوں پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا،(۴) اس لئے غیر مسلم جج کی طرف سے نکاح فسخ کردیا جائے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہوگا؛ لہٰذا اگر عدالت اس کا فیصلہ کر بھی دے تو اپنے علاقہ کے قاضی شریعت سے رُجوع ہوکر دوبارہ اپنے معاملہ کی تنقیح ضرور کرنی چاہئے۔

طلاق بذریعہ ٹیلی فون یا ٹیلی گرام

معلوم ہونا چاہئے کہ طلاق کے بعد بیوی کی موجودگی ضروری نہیں، شوہر جہاں بھی ہو اور جس وقت بیوی کی طرف نسبت کرکے طلاق کے الفاظ کہہ دے یا لکھ دے، طلاق واقع ہوجائے گی، اس لئے اگر کوئی شخص ٹیلی فون سے

---

(۱) تنویر الابصار مع الدر المختار ورد المحتار: ۶/ ۴۵۶۔

(۲) دیکھئے: کتاب الفسخ والتفریق: ۶۳-۷۴۔

(۳) دیکھئے: کتاب الفسخ والتفریق: ۷۵-۷۸۔

(۴) کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا'' (النساء: ۱۴۱) اسی آیت کی روشنی میں فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ (دیکھئے: رد المحتار: ۴/ ۳۹۸)

یا تار سے طلاق دے دے، تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی، مرد اگر جھوٹ بولے کہ اس نے فون پر نہیں کہا تھا، یا تار نہیں دیا تھا تو وہ عنداللہ سخت گنہگار ہوگا اور زانی قرار پائے گا، ہاں اگر مرد کو خود ہی اقرار ہو، یا دو مرد یا ایک مرد اور دو عوتیں موجود ہوں جو اس بات کی شہادت دیں کہ انھوں نے خود مرد کو فون کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے یا ٹیلی گرام کراتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے تو اب شرعی اُصول کے مطابق طلاق ثابت ہوجائے گی۔(۱)

حالتِ نشہ کی طلاق

ہندوستانی مسلم سماج کے موجودہ حالات کے پس منظر میں ۱۱-۱۴/فروری ۲۰۰۰ء، بمقام دارالعلوم اسلامیہ بستی میں بارہواں فقہی سیمینار ہوا تھا، اس میں اس موضوع سے متعلق درج ذیل تجاویز پاس ہوئی تھیں :

(۱) اگر کسی شخص نے لاعلمی میں نشہ آور حرام چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا، اسی حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۲) کسی شخص نے اگر نشہ آور حرام چیز کا استعمال دوا کے طور پر کیا اور ماہر مسلم اطباء کی رائے میں اس کے مرض کا علاج اسی نشہ آور چیز سے ہی ہوسکتا ہے، یا بھوک اور پیاس کی غیر معمولی شدت میں (کوئی حلال چیز فراہم نہ ہونے کی وجہ سے) جان بچانے کے لئے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا اور حالت نشہ میں اس شخص نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۳) کسی شخص کو شراب یا دوسری نشہ آور چیز کے استعمال پر مجبور کیا گیا، جبر واکراہ کی وہ صورت اختیار کی گئی، جس میں اس کے لئے اس حرام چیز کا استعمال کرنا جائز ہوگیا؛ اس لئے اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور نشہ طاری ہونے پر بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

(۴) جائز وحلال چیز کے استعمال سے اگر کسی شخص کو نشہ طاری ہوگیا اور حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق شرعاً معتبر نہ ہوگی۔

(۵) کسی شخص نے شراب یا کسی اور نشہ آور حرام چیز کا استعمال اپنی رضامندی سے جان بوجھ کر کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا؛ لیکن وہ نشہ کی ابتدائی حالت میں ہے، جس میں ایک قسم کا سرور طاری ہوتا ہے؛ البتہ ہوش وحواس برقرار رہتے ہیں اور انسان بات سمجھتا ہے، اسی حالت میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔

(۶) اور اگر اس حالت میں اس کو شدید نشہ طاری ہوگیا جس کی وجہ سے ہوش وحواس برقرار نہ رہا، بالکلیہ

---

(۱) جدید فقہی مسائل: ۱/۳۰۵۔

ہوش وحواس کھو بیٹھا اور اس حالت میں اس نے الفاظ طلاق استعمال کئے تو اکثر شرکاء سیمینار کے نزدیک اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی۔(۱)

بلڈ پریشر کی حالت میں طلاق

جولوگ بلڈ پریشر کے مریض ہوتے ہیں، جب بی پی بڑھتا ہے تو بعض اوقات ان کا دماغی توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اگر ماہر ومعتبر ڈاکٹر بی پی کے بڑھنے کی وجہ سے کسی کے عقلی توازن سے محرومی کی تصدیق کردے تو اس حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مجنون کی طلاق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ من جملہ اس کے اثرات میں سے ایک دماغی توازن کا باقی رہنا ہے، (۲) اور اس حد تک جنون کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ کیوں کہ انسان عقل کی بنیاد پر مکلف ہوتا ہے اور وہ مسلوب العقل ہے، اسی طرح بلڈ پریشر کا مریض ہے کہ جب اس کا بی پی زیادہ بڑھ جاتا ہے تو اس کی عقل مسلوب ہوجاتی ہے۔

● ● ●

(۱) حالت نشہ کی طلاق: ۱۸-۱۹، ط: ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی۔

(۲) ردالمحتار: ۳/ ۲۴۳۔

امام ابوحنیفہؒ کا فقہی مزاج واُسلوب

علامہ زاہد الکوثریؒ
ترجمہ وتعلیق: مولانا انوار خان قاسمی

یہاں پر میں امام ابوحنیفہؒ کی سیرت پر زیادہ طویل بحث کرنا نہیں چاہتا؛ کیوں کہ متعدد حفاظ اور ائمہ اس موضوع پر اہم تصانیف رقم کر چکے ہیں، جس کے بعد کسی اور کتاب کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہ جاتی ہے، مثلاً امام ابوحنیفہؒ کی سیرت پر لکھی گئی حافظ ابوالقاسم بن ابی العوامؒ، حافظ ابوعبداللہ صمیریؒ کی کتابیں اور امام موفق الدین مکیؒ کی کتاب میں شامل کردہ علامہ حارثیؒ کی کتاب اوراسی طرح حافظ ابن الدخیلؒ کا رسالہ جس کا اکثر حصہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب ''الإنتقاء فی فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء'' میں ذکر کردیا ہے، یہ سب کتابیں آپ کی سوانح کے اہم مصادر ہیں۔

امام ابن الدخیلؒ، عقیلیؒ کی کتابوں کے سب سے اہم راوی اور ناقل تھے اور موصوف نے امام ابوحنیفہؒ کے مناقب کے موضوع پر ایک رسالہ بھی رقم کیا جس کا مقصد اپنے شیخ عقیلیؒ پر رد کرنا تھا؛ کیوں کہ عقیلیؒ نے اپنی کتاب میں فقیہ الملت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کے حق میں جاہلوں کی طرح زبان درازی سے کام لیا ہے، ابن الدخیلؒ کا مقصد عقیلیؒ کی باطل تحریروں سے براءت کا اظہار تھا اور حقائق کی منافی روایات سے اپنے آپ کو بری ثابت کرنا تھا، ابن الدخیلؒ سے اس رسالہ کو حکم بن المنذر بلوطی اندلسیؒ نے مکہ میں سنا اور حکم سے ابن عبدالبرؒ نے سماع کیا اور پھر ابن عبدالبرؒ نے اس رسالہ کے اکثر مناقب کو اپنی مشہور کتاب ''الانتقاء'' میں امام ابوحنیفہؒ کے ترجمہ میں شامل کرلیا۔

تاہم حافظ ابن عبدالبرؒ نے بخاریؒ سے جس روایت کا ذکر کیا ہے، انصاف کی بات تو یہ ہے کہ موصوف کو اس کی سند پر غور کرلینا چاہئے تھا اور اسی طرح سے ابن عیینہؒ سے ابراہیم بن بشار نے جو نقل کیا ہے، وہ بھی موجب تردد ہے، رہا مسئلہ ابن الجارودؒ (۱) کا تو اس شخص کی جرح مردود ہونے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ قاضی وقت نے اس کی

(۱) محدث جلیل علامہ عبدالفتاح ابوغدہ نوراللہ مرقدہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: اس شخص کا پورا نام احمد بن عبدالرحمٰن بن الجارود رقی ہے، جس کا شمار کذابین میں ہوتا ہے، خطیب بغدادیؒ نے ''تاریخ بغداد'' میں اس کی مختلف مقامات پر تکذیب کی ہے، مثلاً: ج: ۲/ ۶۱، ۶۹، ۲۴۷، قابل تنبیہ بات یہ ہے کہ زیر بحث ابن الجارود، امام ابن الجارودؒ کے علاوہ ہے، جن کی جانب حدیث کی مشہور کتاب ''المنتقی'' منسوب کی جاتی ہے، جن کا پورا نام ابومحمد عبداللہ بن علی بن الجارود نیساپوریؒ ہے؛ لہٰذا دونوں شخصیتوں میں کسی طرح کا التباس نہ ہونے پائے۔

شہادت کو عدالتِ اسلامیہ میں رد کر دیا تھا، اگر ابن عبد البرؒ نے ان تمام کمزور پہلوؤں کی جانب بھی اشارہ کر دیا ہوتا، تو بہت اچھا ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج تک جن حضرات نے بھی امام ابوحنیفہؒ پر طعن وتشنیع کی ہے، ان میں سے کسی کے پاس بھی طاقتور دلائل موجود نہیں ہیں، جس کی تشریح ہم انتہائی مفصل انداز سے خطیب بغدادیؒ (۱) پر رد کے دوران کر چکے ہیں، تاہم یہاں ہم امام ابوحنیفہؒ کی علمی زندگی کے چند اہم عناصر کی جانب ضرور اشارہ کریں گے، جس سے امام ابوحنیفہؒ کے فقہی اُسلوب اور مزاج کی کافی حد تک عکاسی ہو سکے گی۔

امام ابوحنیفہؒ کا مختصر تعارف

امام ابوحنیفہؒ کا نام نعمان تھا اور آپ کے والد کا نام ثابت اور دادا کا نام مرزبان بن زوطی بن ماہ تھا، آپ اصلاً فارسی النسل تھے، آپ پر کبھی بھی غلامی طاری نہیں ہوئی، جس کی تصدیق خود امام صاحبؒ کے پوتے اسماعیل بن حمادؒ نے کی ہے۔

صلاح الدین بن شاکر کتبیؒ ''عیون التواریخ'' میں فرماتے ہیں کہ محمد بن عبد اللہ انصاریؒ نے تبصرہ فرمایا ہے:

> عمر بن الخطاب کے زمانہ سے لے کر آج تک بصرہ میں اسماعیل بن حمادؒ جیسا کوئی قاضی نہیں آیا، محمد بن عبد اللہؒ سے سوال کیا گیا: کیا حسن بصریؒ بھی نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: خدا کی قسم، حسن بصریؒ بھی نہیں، اسی کے ساتھ ساتھ اسماعیلؒ ایک بلند پایۂ عالم، زاہد وعابد اور متقی انسان تھے۔

بھلا اتنا عظیم انسان اپنے نسب کے بارے میں بھی سچ نہیں بول سکتا؟ امام طحاویؒ نے شرح ''شرح مشکل الآثار'' میں بکار بن قتیبہؒ کے طریق سے عبد اللہ بن یزید مقریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: میں امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے سوال کیا: آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟ میں نے جواب میں کہا: بس میں ایک مسلمان ہوں، جسے

(۱) خطیب بغدادیؒ پر امام کوثریؒ کا یہ رد ''تأنيب الخطيب على ما ساقه في ترجمة أبي حنيفة من الأكاذيب'' کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ کتاب امام کوثریؒ کی علی الاطلاق سب سے اہم تصنیف ہے، خلافتِ عثمانیہ کے آخری شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کوثریؒ کی اس تصنیف پر ترکی میں آستانہ کے ادارے ازہر کے اداروں پر فخر کرنے کا حق رکھتے ہیں؛ چوں کہ امام کوثریؒ آستانہ ہی کے مدرسہ کے فاضل تھے، امام کوثریؒ نے اپنی اس تصنیف سے عالم اسلام میں اپنا لوہا منوالیا اور اس کتاب میں آپ کی شخصیت ایک محدث، فقیہ، مؤرخ، فلسفی، امام جرح وتعدیل، اُصولی اور ماہر ملل ونحل کے طور پر ظاہر ہوئی۔

اللہ نے اسلام کی دولت سے مالا مال کردیا ہے، اس پر ابوحنیفہؒ نے جواب دیا: ایسا مت کہو؛ بلکہ ان میں سے کسی قبیلہ کے ساتھ موالات قائم کرلو اور پھر انھیں کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرلو، میں بھی ایسا ہی ہوں، اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا ولاء موالات پر مبنی تھا، نہ کہ عتق کے نتیجہ میں ہونے والا ''ولاء'' اور نہ ہی اسلام کا کا ولاء، ابن الجوزیؒ اپنی کتاب ''المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم''میں فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ کی فہم اور فقہ کے سلسلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے، سفیان ثوریؒ اور ابن المبارکؒ کہا کرتے تھے: ابوحنیفہؒ سب سے بڑے فقیہ ہیں، امام مالکؒ سے پوچھا گیا، کیا آپ نے ابوحنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا، جی ہاں، میں نے ایسا آدمی دیکھا ہے کہ اگر وہ آپ سے اس ستون کو سونا ثابت کرنے کے لئے بحث کرنے لگے تو وہ اس کے لئے ضرور دلائل قائم کردے گا، امام شافعیؒ کا فرمانا ہے: لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

قاضی عیاضؒ ''ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفة أعلام مذهب مالک'' میں فرماتے ہیں کہ لیث بن سعد مصریؒ نے امام مالکؒ سے کہا: مجھے آپ کی پیشانی پر پسینہ نظر آرہا ہے، اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا: میں ابوحنیفہؒ کے ساتھ بحث میں شرابور ہوگیا، اے مصری یہ شخص واقعی فقیہ ہے۔

دیگر مذاہب نے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے کس طرح استفادہ کیا ہے اس کی تفصیل اس عاجز نے اپنی کتاب ''بلوغ الأمانی فی سیرة محمد بن الحسن الشیبانی'' میں ذکر کردی ہے؛ لہٰذا یہاں دوبارہ وہ تفصیل ذکر نہیں کروں گا۔

مذہبِ حنفی کا شورائی نظام

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کا سب سے اہم اور نمایاں امتیاز یہ ہے کہ یہ مذہب شورائی نظام پر قائم کیا گیا ہے، اس پورے فقہی نظام کو جماعت در جماعت صحابہ سے نقل کیا گیا ہے، اس کے برخلاف دیگر مذاہب ان کے بانی ائمہ اور مجتہدین کی ذاتی آراء کا مجموعہ ہیں۔

ابن ابی العوامؒ نے امام طحاویؒ کے طریق سے نوح ابوسفیانؒ کا قول نقل کیا ہے کہ مغیرہ بن حمزہؒ نے ان سے کہا: ''امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کی ٹیم جنھوں نے آپ کے ساتھ تمام فقہی کتابوں کی تدوین کی، چالیس افراد پر مشتمل تھی اور ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر ایک عظیم الشان عالم تھا۔

اسی طرح سے ابن ابی العوامؒ نے امام طحاویؒ کے طریق سے اسد بن فراتؒ کا یہ قول نقل کیا ہے :

> امام ابوحنیفہؒ کی وہ جماعتِ تلامذہ جس نے تمام فقہی کتب کی تدوین کی چالیس افراد پر مشتمل تھی، اس میں دس لوگوں کا شمار صفِ اول میں ہوتا ہے، جن میں امام ابو یوسفؒ،

امام زفرؒ بن الہذیلؒ، داؤد طائی، اسد بن عمروؒ، امام شافعیؒ کے شیخ یوسف بن خالد سمتیؒ اور یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہؒ شامل ہیں، یحییٰ بن زکریا ہی تیس سال تک ان مسائل کی کتابت اور اندراج کا کام کرتے رہے۔

اسی سند سے اسد بن فراتؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اسد بن عمروؒ نے ان سے کہا :

فقہاء مسائل کا جواب دیتے وقت امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں اختلاف کرتے، کوئی شخص کچھ جواب پیش کرتا اور کوئی کچھ، اس کے بعد سوچ سمجھ کر ان مسائل کا جواب پیش کیا جاتا، اس طرح سے کبھی کبھی صرف ایک مسئلہ میں تین دن تک تدبر ومباحثہ اور نقد ونظر کا سلسلہ جاری رہتا اور پھر اس کے بعد اس مسئلہ کو رجسٹر میں درج کرلیا جاتا۔

اسی طرح صمیریؒ نے اسحاق بن ابراہیمؒ کا یہ قول نقل کیا ہے :

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ آپ کے ساتھ مسائل میں غور وخوض کرتے، اگر قاضی عافیہ بن یزیدؒ مجلس میں حاضر نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہؒ حکم فرماتے کہ مسئلہ کو اس وقت تک زیر بحث نہ لایا جائے، جب تک عافیہؒ حاضر نہ ہوجائیں؛ چنانچہ جب عافیہؒ حاضر ہوتے اور ان کی رائے پورے گروہ کے موافق ہوتی تو ابوحنیفہؒ اس مسئلہ کو نوٹ کرنے کا حکم فرماتے اور اگر عافیہؒ ان کی موافقت نہ کرتے تو ابوحنیفہؒ اس مسئلہ کو نوٹ کرنے سے منع فرمادیتے۔

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معینؒ کی ''التاریخ'' اور ''العلل'' جو دوریؒ کی روایت سے دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں محفوظ ہے، میں فرماتے ہیں کہ ابونعیم فضل بن دکینؒ نے امام زفرؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ کے ساتھ ابوحنیفہؒ کی مجلس میں آتے جاتے رہتے تھے اور ہم آپ سے فقہی مسائل نوٹ کرلیا کرتے تھے، امام زفرؒ فرماتے ہیں: ایک دن امام ابوحنیفہؒ نے امام ابو یوسفؒ سے کہا: ارے بھائی یعقوب، مجھ سے جو کچھ سنتے ہو اسے فوراً نہ لکھا کرو؛ کیوں کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آج میری ایک رائے ہے اور کل کچھ اور، اور کل کے بعد کچھ اور، بھلا دیکھئے تو سہی کہ جب امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ مسائل کو کما حقہ تحقیق وتدقیق سے پہلے قلم بند کرتے تو آپ کس طرح سے انھیں ان کی تدوین سے منع فرمایا کرتے تھے۔

مذکورہ تفاصیل سے مطلع ہونے کے بعد یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ امام موفق الدین مکیؒ نے مناقب ابوحنیفہؒ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایک سچی حقیقت ہے، موصوف امام ابوحنیفہؒ کے کبارِ تلامذہ کا ذکر کرنے کے بعد تبصرہ فرماتے ہیں :

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے مذہب کو ایک شورائی نظام کے تحت بنایا، جس میں آپ نے دین کی خاطر غایتِ اخلاص، اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے حق میں جذبۂ خیرخواہی کے نتیجہ میں تحکم واستبداد سے گریز کیا، آپ مسائل کو ایک ایک کر کے لوگوں کے سامنے پیش فرماتے اور حاضرین کی بات کو غور سے سماعت فرماتے اور اپنا نقطۂ نظر ان کے سامنے رکھتے اور ایک ایک مہینہ بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک بعض مسائل پر بحث ومناقشہ کا سلسلہ جاری رہتا، تا آں کہ کسی ایک قول پر سارے لوگ اتفاق کر لیتے، پھر اس کے بعد ابویوسفؒ اسے اصل رجسٹر میں داخل کر لیتے، اس طرح سے امام ابویوسفؒ نے فقہ کے تمام بنیادی مسائل کو درج کرلیا، ظاہر ہے اس طرح کا انداز نہایت مناسب اور درست ہوگا اور حق سے قریب تر ہوگا اور لوگوں کے دل بھی اس اندازِ فقہ سے زیادہ مطمئن اور راضی ہوں گے، برخلاف ان لوگوں کے جنھوں نے انفرادی طور پر اپنا ذاتی مذہب قائم کیا اور لوگ اس کی اپنی رائے ہی کی جانب رُجوع کرتے ہیں۔

اس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اپنی مجلس کے حاضرین کے سامنے جو مسائل پیش فرماتے، انھیں قبول کرنے کے لئے بالکل ان پر زور نہ ڈالتے؛ بلکہ آپ ان حضرات کو اس وقت تک اپنی آراء کے سلسلہ میں نقد ونظر کی ترغیب دیتے، جب تک کہ دلائل ان کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں نہ ہوجاتے؛ چنانچہ یہ حضرات بھی امام صاحبؒ کے قوی مسائل کو تو قبول کر لیتے؛ لیکن جو مسائل حجت وبرہان کی قوت سے عاری ہوتے انھیں یہ نظر انداز کر دیتے، امام ابوحنیفہؒ ایک خاص جملہ بارہا کہا کرتے: ''جب تک کوئی شخص ہماری دلیل سے واقف نہ ہو، اس کے لئے ہمارے قول کے مطابق فتویٰ دینا جائز نہیں ہے''۔

مشرق ومغرب میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے پھیلنے کا یہی راز ہے؛ چنانچہ آپ کے مذہب کو ایسا رواج ملا، جس کی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے، امام صاحب کا یہی فقہی مزاج اور اُسلوب ہے، جس کی وجہ سے آپ کے یہاں ماہر فقہاء کی ایک بڑی کھیپ تیار ہوگئی، امام ابوحنیفہؒ نے فقہی ٹریننگ اور علمی تربیت اور رجال سازی کے لئے جو نہج بنایا تھا، درحقیقت یہ سب سے اعلیٰ نہج مانا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا بے پایاں فیض اور مذہب حنفی کی غیر معمولی مقبولیت

ابن حجر مکیؒ ''الخيرات الحسان في مناقب أبي حنيفة النعمان'' میں فرماتے ہیں:

بعض ائمہ نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ مشہور علماء اسلام میں کسی کے یہاں اتنے موفق تلامذہ تیار نہ ہوئے جتنے امام ابوحنیفہؒ کے یہاں، علماء اور عوام نے جس قدر آپ اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ احادیث متضادہ، مسائل ونوازل اور قضاء اور احکام میں استفادہ کیا ہے اور اتنا کسی سے بھی نہیں کیا۔

محمد بن اسحاق الندیمؒ ''الفہرست'' میں فرماتے ہیں :

بروبحر، مشرق ومغرب اور قریب وبعید ہر جگہ علم کی تدوین ابوحنیفہؒ ہی کی رہین منت ہے۔

علامہ مجد الدین ابن الاثیرؒ ''جامع الأصول فی أحادیث الرسول'' میں فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

اگر اس میں کوئی خدائی پوشیدہ راز نہ ہوتا تو اس اُمت کا نصف قدیم زمانے سے لے کر آج تک اس جلیل القدر امام کے مذہب کے مطابق خدائے قادر کی عبادت نہ کرتا۔

یہ تینوں ہی ائمہ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد نہیں ہیں، جس کی بنا پر ان حضرات کو تعصب اور تحزب کے ساتھ متہم بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذہب حنفی کی ایک نہایت امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس مذہب کے مسائل کی تدوین شورائی انداز سے مدون ومرتب کی گئی ہے اور ساتھ ساتھ طویل مناظرات اور مباحثات کئے گئے ہیں اور احکام کو متوارث انداز سے ایک جماعت نے دوسری جماعت سے نقل کیا ہے، یہاں تک کہ اس کا سرا فقہاء صحابہ کے دور میں فقہ اسلامی کے بحر ناپیدا کنار سے جاملتا ہے، اس مذہب میں نوازل کے احکام کی تشریح میں ہر دور میں ایک جماعت نے سعی پیہم کی ہے اور یہ سلسلہ جب تک اللہ کی مشیت ہوگی چلتا رہے گا، یہی ساری وجوہات ہیں کہ یہ مذہب مختلف ادوار کی ضرورتوں اور انسانی ارتقاء وتہذیب اور تمدن کے تقاضوں کی بھرپور تکمیل کرتا ہے۔

مذہب حنفی کے بارے میں ابن خلدونؒ کی رائے

ابن خلدونؒ اپنے مقدمہ میں امام مالکؒ کے مذہب کے بارے میں فرماتے ہیں :

مغرب اور اندلس کے علاقہ میں بدویت کا غلبہ تھا اور یہاں کے باشندوں کے پاس وہ تمدن موجود نہ تھا، جو اہل عراق کے یہاں تھا، (۱) اسی لئے اندلس اور مغرب کے

(۱) محدث جلیل علامہ عبدالفتاح ابوغدہ نوراللہ مرقدہ نے اپنے حاشیہ میں علامہ محمد یوسف بنوریؒ سے نقل کیا ہے کہ: یہ تبصرہ نہ تو کسی حنفی عالم کا ہے اور نہ ہی کسی کوفی کا؛ بلکہ ایک ایسے جلیل القدر مؤرخ کا تبصرہ ہے جو مغربی الاصل ہے اور جس کی نشوونما، مالکی ماحول میں ہوئی اور قاضی مصر رہا۔

لوگوں کا مزاج مشترکہ بدویت کی مناسبت سے اہل حجاز سے زیادہ میل کھاتا تھا
اوراسی بنا پر مالکی مذہب ان حضرات کے یہاں زیادہ پختگی تک نہ پہنچ سکااوراس میں
تہذیب وتمدن کی آراستگیاں اورتنقیحات نہ آسکیں۔

جب ابن خلدونؒ کی نظر میں مالکی مذہب کی یہ حالت ہے؛ حالاں کہ یہ مذہب اندلس میں صدیوں تک سرکاری مذہب کی حیثیت سے رہ چکا ہے،تو پھراس کے علاوہ دیگر مذاہب کی حالت کیا ہوگی ،جن کے احکام ایک طویل زمانہ تک تہذیب وتمدن کی جلوہ سامانیوں سےمحروم رہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی قراءت

امام ابوحنیفہؒ قراءت میں عاصمؒ ہی کی قراءت کو مانتے تھے، جوکہ پوری دنیا میں ذائع وشائع رہی ہے، استدلال واستنباط میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن کریم کا بہت ہی بلند مقام ہے؛ کیوں کہ آپ قرآن کے عمومات کوبھی قطعی قرار دیتے ہیں،تقریباً ہرخاص وعام کو یہ بات معلوم ہے کہ آپ کبھی کبھی صرف ایک رکعت میں پوراقرآن ختم فرمادیا کرتے تھے، جب کہ سلف میں ایسی مثال شاذونادرہی ملےگی۔

امام ابوحنیفہؒ کی جانب بے بنیاد قراءتوں کی نسبت

بعض کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کی جانب جوبعض شاذقسم کی قرأتیں منسوب کی جاتی ہیں، وہ آپ سے قطعاً مروی نہیں ہیں؛ لہٰذااس کی توجیہ کے لئےخواہ مخواہ تکلف کی ضرورت بالکل نہیں ہے،جیسا کہ زمخشریؒ اورامام نسفیؒ نے اپنی تفسیروں میں کیا ہے،امام ابوحنیفہؒ کی جانب سےمنسوب یہ قرأتیں موضوع ہیں،جیسا کہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ، ذہبیؒ نے''طبقات القراء''اوراسی طرح سے ابن الجزریؒ نے''غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء''میں بیان کیا ہے،ان بے بنیادروایات کا واضع خزاعی ہے،علامہ ذہبیؒ ''میزان الاعتدال فی نقد الرجال''میں ابوالفضل محمد بن جعفرخزاعی (متوفی:۴۰۷ھ) کے بارے میں فرماتے ہیں: اس شخص نے امام ابوحنیفہؒ کی قراءت کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی ہے، دارقطنی نے اس کےاس مجموعہ کوموضوع اور بےاصل قرار دیا ہے، جب کہ بعض دیگرائمہ جرح وتعدیل نے اسے غیرثقہ قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی کثرتِ حدیث

اوراگرآپ امام ابوحنیفہؒ کی کثرتِ حدیث دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کا اندازہ آپ مختلف ابوابِ فقہ میں مذکورآپ کے دلائل اور براہین اوراسی طرح سے آپ کے عظیم تلامذہ اوردیگرحفاظِ حدیث کے ذریعہ جمع کردہ ان

۱۷رمسانید میں مدون احادیث وآثار سے لگا سکتے ہیں، جس وقت خطیب بغدادیؒ دمشق تشریف لائے تھے، توموصوف کے ساتھ امام دارقطنیؒ اورامام ابن شاہینؒ کے ذریعہ جمع کردہ مسند ابی حنیفہ بھی تھا، یادرہے یہ دونوں مسانید مذکورہ ۱۷رمسانید کے علاوہ ہیں، موفق مکیؒ مناقب میں فرماتے ہیں کہ حسن بن زیادؒ نے کہا :

> امام ابوحنیفہؒ چار ہزار احادیث روایت فرماتے تھے، دو ہزار صرف حماد سے اور دو ہزار باقی دیگر مشائخ سے۔

امام ابوحنیفہؒ کے فقہی مسائل کی تعداد کے بارے میں سب سے محتاط تخمینہ یہ ہے کہ ان کی تعداد ۸۳ر ہزار تک پہنچتی ہے، آپ کے مشائخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

عربی زبان میں امام ابوحنیفہؒ کی غیر معمولی دستگاہ

عربی زبان میں امام ابوحنیفہؒ کی غیر معمولی دستگاہ کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کی نشوونما عربی زبان کے گہوارہ کوفہ میں ہوئی، عربی قواعد وضوابط کے آئینہ میں آپ کی دقیق فقہی تفریعات آپ کی غیر معمولی لسانی مہارت وامتیاز کا ثبوت ہیں، امام ابوعلی فارسیؒ، امام سیرافیؒ اورابن جنیؒ جیسے ائمۂ لغت نے امام ابوحنیفہؒ کے عربی زبان کے اسرار ورموز میں تبحر کا اعتراف کرتے ہوئے الجامع الکبیر میں ''الایمان'' میں مذکور آپ کی دقیق آراء کی توضیح وتشریح کے لئے کتابیں رقم کی ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب

۱- امام زفر بن ہذیل بصریؒ (م:۱۵۸ھ): ابن حبانؒ نے ''کتاب الثقات'' میں آپ کا ذکر حفظ واتقان کے ساتھ کیا ہے، موصوف کا شمار امام ابوحنیفہؒ کے اجل تلامذہ میں ہوتا ہے، آپ ''کتاب الآثار'' کے مؤلف ہیں۔

۲- امام حافظ ابراہیم بن طہمان ہرویؒ (م:۱۶۳ھ): آپ کی سیرت کا مطالعہ ''تذکرہ الحفاظ'' میں کیا جاسکتا ہے، موصوف ڈھیر ساری حدیثوں کے حافظ تھے اورآپ کی احادیث صحیح بھی تھیں۔

۳- امام لیث بن سعدؒ (م:۱۷۵ھ): بہت سے اہل علم نے آپ کو حنفی قرار دیا ہے، قاضی زکریا انصاریؒ نے بخاری کی شرح میں جزم کے ساتھ آپ کو حنفی بتایا ہے، ابن ابی العوامؒ نے اپنی سند سے لیث بن سعدؒ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار لیث مکہ میں ابوحنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے، اسی دوران امام صاحبؒ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک باپ کافی ساری دولت خرچ کرکے اپنے بیٹے کی شادی کردیتا ہے، پھر وہ بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور جب باپ بیٹے کے لئے ایک باندی خرید کردیتا ہے تو وہ اسے آزاد کردیتا ہے، اس پر امام ابوحنیفہؒ نے سائل یعنی

باپ کو یہ وصیت کی کہ وہ اپنے لئے کوئی ایسی باندی خرید لے جو بیٹے کو پسند آجائے پھر اس سے اس کی شادی کرادے، اس صورت میں اگر بیٹا اسے طلاق دیتا ہے تو وہ اس کی یعنی باپ کی مملوکہ بن کر واپس ہوجائے گی اور اسے آزاد کرتا ہے تو پھر اس کو آزاد کرنا جائز نہ ہوگا، امام لیث ابن سعدؒ فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم ابوحنیفہؒ کا درست جواب مجھے اتنا پسند نہ آیا جتنا آپ کی حاضر جوابی پسند آئی'' امام لیث کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔

۴- امام حافظ قاسم بن معن مسعودیؒ (م: ۱۷۵ھ): موصوف احادیث واشعار کے بہت بڑے راوی اور علومِ فقہ اور عربی زبان کے بلند پایہ امام تھے، امام محمد بن الحسنؒ آپ سے عربی زبان کے دقائق اور مشکلات کے بارے میں رُجوع فرمایا کرتے تھے، آپ کا شمار امام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر تلامذہ میں ہوتا ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں امام ذہبیؒ کی ''تذکرۃ الحفاظ'' اور حافظ عبدالقادر قرشیؒ کی ''الجواہر المضیۃ''۔

۵- عبداللہ بن مبارکؒ (م: ۱۸۱ھ): آپ کی تصانیف بیس ہزار احادیث پر مشتمل تھیں، حافظ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ آپ کو سفیان ثوریؒ پر ترجیح دیتے تھے، یحییٰ بن آدمؒ فرماتے ہیں: ''جب میں پیچیدہ مسائل کی تحقیق کے بارے میں جستجو کرتا ہوں اور مجھے ابن مبارکؒ کی کتابوں میں نہیں مل پاتی ہیں، تو پھر مایوس ہی ہوجاتا ہوں'' موصوف کا شمار امام ابوحنیفہؒ کے خاص الخاص تلامذہ میں ہوتا ہے، اس کے باوجود بعض محدثین نے ابوحنیفہؒ کے بارے میں آپ کی زبانی بہت سی من گھڑت باتیں منسوب کردی ہیں، جیسا کہ آپ کے علاوہ اور بہت سے دیگر علماء کے ساتھ کیا ہے۔

۶- مشہور قاضی، امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری: امام ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں آپ کا ذکر کیا ہے اور آپ نے ایک مختصر رسالہ میں آپ کی سیرت بھی رقم کی ہے، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں: ''ابویوسفؒ فقیہ، عالم اور حافظ تھے، حفظ حدیث میں آپ کو شہرت حاصل تھی، آپ کسی محدث کے درس میں حاضر ہوتے، تو پچاس ساٹھ حدیثیں یاد کرلیا کرتے تھے اور پھر وہاں سے اُٹھنے کے بعد من وعن لوگوں کے سامنے املا کرادیتے تھے اور آپ کے پاس بہت سی احادیث تھیں'' ابن الجوزیؒ نے ''اخبار الحفاظ'' میں آپ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ آپ بلا کا حافظہ رکھتے تھے، ان سے پہلے ابن حبانؒ نے بھی کچھ اسی طرح سے ''کتاب الثقات'' میں لکھا ہے، آپ کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی، آپ کی کتاب ''الامالی'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تین سو جلدوں پر مشتمل تھی، آپ کے بارے میں یہاں بس اتنی سی تفصیل پر اکتفا کرتا ہوں۔

۷- متثبت حافظِ حدیث اور فقیہ یحییٰ بن زکریا ابن ابی زائدہؒ (م: ۱۸۳ھ): موصوف کا شمار امام ابوحنیفہؒ کے اجل تلامذہ میں ہوتا ہے، آپ کی سیرت امام ذہبیؒ کی ''تذکرۃ الحفاظ'' اور ''الجواہر المضیۃ'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۸- امام محمد بن الحسن شیبانیؒ (م:۱۸۹ھ): موصوف کے پاس وافر مقدار میں احادیث کا ذخیرہ تھا، اس عاجز نے موصوف کی سیرت پر "بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی" نام کی ایک کتاب بھی لکھی ہے، آپ کی کتابیں: "الآثار، الموطا، الحجۃ علی اہل المدینۃ" چندایسی کتابیں ہیں جوفن حدیث میں آپ کی مہارتِ تامہ کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں، اگر چہ بہت سے لوگ آپ کے بلند مقام سے ناواقف ہیں۔

۹- قاضی حفص بن غیاثؒ، محدثین نے آپ کے حفظ سے چار ہزار احادیث لکھیں، آپ کی وفات: ۱۹۴ھ میں ہوئی، ملاحظہ فرمائیں: "تذکرۃ الحفاظ" اور "الجواہر المضیۃ"۔

۱۰- وکیع ابن الجراحؒ (م:۱۸۷ھ): آپ کے بارے میں امام ذہبیؒ یحییٰ بن معینؒ کا قول نقل فرماتے ہیں: "میری نگاہوں نے آپ یعنی وکیع سے افضل کبھی کوئی انسان نہیں دیکھا، آپ ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے" امام احمدؒ فرماتے ہیں: "وکیع کی مصنفات کو مضبوطی سے پکڑلو؛ کیوں کہ میں نے وکیع سے زیادہ بڑا حافظ اور علوم کا جامع کسی کو نہیں دیکھا"۔

۱۱- امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطانؒ (م:۱۹۸ھ): امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: "موصوف امام ابوحنیفہؒ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے" ملاحظہ فرمائیں: "تذکرۃ الحفاظ" اور "الجواہر المضیۃ"۔

۱۲- عظیم حافظِ حدیث حسن بن زیاد لولویؒ (م:۲۰۴ھ): موصوف کے پاس حافظ ابن جریج کی روایت سے بارہ ہزار ایسی احادیث تھیں جس کا علم ہر فقیہ کے لئے ناگزیر ہے، یحییٰ بن آدمؒ فرماتے ہیں: "میں نے آپ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا" آپ کے بارے میں بعض محدثین نے الزام تراشیاں کی ہیں، جس طرح سے انھوں نے خود امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: "الجواہر المضیۃ"۔

۱۳- حافظ معلی بن منصور رازیؒ (م:۲۱۱ھ): موصوف فقہ اور حدیث دونوں کے امام تھے، ملاحظہ فرمائیں: " تذکرۃ الحفاظ" اور "الجواہر المضیۃ"۔

۱۴- حافظ عبداللہ بن داؤد خریبیؒ (م:۲۱۳ھ): موصوف فقہ وحدیث کے ایک بے نظیر امام تھے، ملاحظہ فرمائیں: "تذکرۃ الحفاظ" اور "الجواہر المضیۃ"۔

۱۵- قاری ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید کوفیؒ (م:۲۱۳ھ): موصوف امام ابوحنیفہؒ سے بکثرت احادیث روایت کرتے تھے، ملاحظہ فرمائیں: "تذکرۃ الحفاظ"۔

۱۶- اسد بن فرات قیروانی (م:۲۱۳ھ): موصوف فقہ وحدیث میں عراقی اور حجازی دونوں مذہبوں کے سنگم تھے۔

۱۷- خراسان کے شیخ، مکی بن ابراہیم حنظلیؒ (م: ۲۱۵ھ): موصوف کا شمار امام ابوحنیفہؒ سے بکثرت احادیث روایت کرنے والوں میں ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ''۔

۱۸- ابونعیم الفضل بن دکینؒ (م: ۲۱۹ھ): موصوف کا شمار امام ابوحنیفہؒ سے بکثرت احادیث روایت کرنے والوں میں ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ''۔

۱۹- امام عیسیٰ بن ابان بصریؒ (م: ۲۲۱ھ): موصوف کی دونوں کتابیں ''**الحجج الکبیر**'' اور ''**الحجج الصغیر**'' فن حدیث میں آپ کی مہارتِ تامہ کا بین ثبوت ہیں، ملاحظہ فرمائیں: امام صمیریؒ اور حافظ ابن ابی العوامؒ کی کتابیں اور ''الجواہر المضیۃ''۔

۲۰- امام محمد بن الحسنؒ کے شاگرد، ہشام بن عبیداللہ رازیؒ (م: ۲۲۱ھ): ملاحظہ فرمائیں: امام ذہبیؒ کی ''تذکرۃ الحفاظ''۔

۲۱- ابوعبید قاسم بن سلامؒ (م: ۲۲۴ھ): موصوف کا شمار امام محمدؒ کے اجل تلامذہ میں ہوتا ہے۔

۲۲- متثبت حافظ حدیث علی بن الجعدؒ (م: ۲۳۰ھ) موصوف فقہ وحدیث کے جلیل القدر امام ہیں، آپ کی کتاب ''**الجعدیات**'' کا شمار اہم ترین کتابوں میں ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ'' اور ''الجواہر المضیۃ''۔

۲۳- امام الجرح والتعدیل، یحییٰ بن معینؒ (م: ۲۳۳ھ): موصوف نے امام محمدؒ سے ''الجامع الصغیر'' کا سماع کیا اور آپ ہی سے علم فقہ کی تحصیل کی، نیز امام ابو یوسفؒ سے حدیث کا سماع کیا، ''عیون التواریخ'' میں ہے: ''ابن المدینیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابن ابی شیبہؒ اور اسحاق ابن راہویہؒ، آپ کے سامنے ادب ملحوظ رکھتے تھے اور یہ سب آپ کی عظمت کے قائل تھے'' لاکھوں دراہم اپنے والد سے بطور میراث ملے اور سب کچھ علم حدیث پر صرف کردیا، امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی حدیث یحییٰ کو معلوم نہیں ہے، تو وہ حدیث ہی نہیں ہے'' احقر نے مکتبہ ظاہریہ میں عباس دُوریؒ کی روایت سے آپ کی تاریخ کو دیکھا ہے، جرح وتعدیل میں آپ سے روایتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، امام ذہبیؒ نے آپ کو متکلم فیہ مگر ثقہ راویوں سے متعلق تصنیف کردہ اپنے رسالہ (۱) میں ایک متصلب حنفی قرار دیا ہے؛

(۱) امام ذہبیؒ کا یہ رسالہ متعدد ناموں سے جانا جاتا ہے اور متعدد محققین کی تحقیقات کے ساتھ اس وقت طبع ہو چکا ہے؛ چنانچہ یہ کتاب محمد الموصلی کی تحقیق کے ساتھ دار البشائر بیروت سے ۱۹۹۲ء میں ''الرواۃ الثقات المتکلم فیھم بما لا یوجب ردھم'' کے عنوان سے شائع کی گئی جب کہ ۱۹۸۶ء میں دار المعرفہ بیروت سے ''معرفۃ الرواۃ المتکلم فیھم بما لا یوجب الرد'' کے عنوان سے ابوعبداللہ ابراہیم ادریس کی تحقیق کے ساتھ نشر کی گئی اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۶ء میں ''ذکر أسماء من تکلم فیه وھو مؤثق أو صالح الحدیث'' کے عنوان سے عبداللہ بن ضیف اللہ الرحیلی کی تحقیق سے شائع ہوا۔

بلکہ اپنے مذہب کے لئے متعصب تک قرار دیا ہے،اس کے باوجود بھی بعض محدثین امام ابوحنیفہؒ کے بہت سے تلامذہ کے بارے میں ابن معینؒ کی زبانی من گھڑت باتیں نقل کرتے ہیں، واللہ فی خلقہ شئون۔

۲۴- محمد بن سماعۃ تمیمیؒ (م:۲۳۳ھ): صاحبِ ''عیون التواریخ'' فرماتے ہیں: ''موصوف کا شمار ثقہ حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے اور آپ کے مذہب میں اپنے فقہی اختیارات، اجتہادات اور روایات ہیں، آپ کی متعدد تصانیف ہیں، ابن معینؒ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ''اگر محدثین اسی طرح سے سچ بولنے لگیں، جس طرح ابن سماعہؒ رائے میں سچ بولتے ہیں، تو وہ اس فن کی بلندیوں کو چھولیں گے'' ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ''۔

۲۵- حافظ کبیر، ابراہیم بن یوسف بلخی باہلی ماکیانیؒ (م:۲۳۹ھ): موصوف نے قتیبہ بن سعیدؒ سے اپنے تعلقات ختم کر لئے تھے؛ کیوں کہ انھوں نے ایک بار آپ کو امام مالکؒ کے سامنے تکلیف دی تھی، اور یہ کہا تھا کہ آپ مرجی ہیں، جس کی وجہ سے امام مالکؒ نے انھیں اپنی مجلس سے باہر نکال دیا تھا، آپ امام مالکؒ سے صرف ایک حدیث کا سماع کر سکے، امام نسائیؒ نے آپ کی توثیق کی ہے، اس میں واقعی عبرت ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ'' اور ''الجواہر المضیۃ''۔

۲۶- ''المسند الکبیر'' کے مصنف، اسحاق بن بُہلول تنوخیؒ (م:۲۵۲ھ): ملاحظہ فرمائیں خطیبؒ کی ''تاریخ بغداد'' اور ذہبیؒ کی ''تذکرۃ الحفاظ'' موصوف نے اپنے حافظہ سے چالیس ہزار حدیثوں کا املا کرایا، ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: ''آپ صدوق تھے''۔

۲۷- حافظ ابواللیث عبداللہ بن سریج بن حجر بخاریؒ (م:۲۵۸ھ کے آس پاس) موصوف ابوحفص کبیر بخاریؒ کے تلامذہ میں ہیں، دس ہزار احادیث کے حافظ تھے، حافظ عبدانؒ آپ کی تعظیم کرتے تھے، غنجارؒ نے آپ کا ذکر ''تاریخ بخاری'' میں کیا ہے؛ لیکن آپ کی تاریخ وفات کا ذکر نہیں کیا ہے، ملاحظہ فرمائی: ''تذکرۃ الحفاظ''۔

۲۸- امام محمد بن شجاع ثلجیؒ (م:۲۶۶ھ): موصوف کی وفات نمازِ عصر میں سجدہ کی حالت میں ہوئی، موفق مکیؒ فرماتے ہیں: موصوف نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثوں کو ذکر کیا ہے اور آپ کی ایک کتاب ''المناسک'' تقریباً ساٹھ اجزاء میں ہے، آپ کی ایک دوسری کتاب ''تصحیح المشبهة'' ہے، امام ذہبی ''سیر اعلام النبلاء'' میں فرماتے ہیں: موصوف علم کا سمندر تھے، بعض محدثین نے تعصب کی بنا پر آپ پر نقد کیا ہے، آپ کی سیرت ابن الندیم کی ''الفهرست ، الجواهر المضية ، تبيين كذب المفترى فيما نسب إلى الأشعرى ، تكملة الرد على نونية ابن القيم'' پر احقر کی تعلیقات میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۹- حافظ وفقیہ، ابوالعباس احمد بن محمد بن عیسیٰ برتیؒ (م:۲۸۰ھ): موصوف نے ابوسلیمان الجوزجانیؒ

سے علم فقہ حاصل کیا، امام اسماعیل القاضی آپ کی تعظیم کرتے تھے، آپ ''مسند ابی ہریرۃ'' کے مصنف ہیں، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ'' اور ''الجواہر المضیۃ''۔

۳۰- ابوالفضل جعفر بن محمد طیالسیؒ (م: ۲۸۲ھ): موصوف نے زہیر بن حربؒ وغیرہ کے ساتھ نبیذ کے حلال ہونے کے بارے میں مناظرہ کیا اور انھیں مغلوب کر دیا، ملاحظہ فرمائیں، خطیبؒ کی ''تاریخ بغداد''۔

۳۱- ابوالفضل عبیداللہ بن واصل بخاریؒ: موصوف ۲۸۲ھ میں شہید ہوئے، آپ بخارا کے محدث تھے، امام حارثیؒ نے آپ سے علم حاصل کیا، ملاحظہ فرمائیں ''تذکرۃ الحفاظ''۔

۳۲- ابوبکر محمد بن النضر بن سلمۃ بن الجارود نیساپوریؒ (م:۲۹۱ھ): امام حاکمؒ فرماتے ہیں: موصوف حفظ، کمالات اور ریاست وسیادت کے اعتبار سے اپنے وقت کے شیخ تھے، آپ کے خاندان کے سارے لوگ حنفی ہیں آپ طلب علم میں امام مسلم کے ساتھی تھے۔

۳۳- ''المسند الکبیر'' اور ''التفسیر'' کے مصنف حافظ ابرہیم بن معقل نسفیؒ (م: ۲۹۵ھ): آپ نے امام بخاریؒ سے ان کی صحیح کی روایت کی، حافظ مستغفریؒ فرماتے ہیں: ''آپ فقیہ، حافظ حدیث، علماء کے علمی اختلافات کے ماہر، عفیف اور محتاط عالم دین تھے'' ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ'' اور ''الجواہر المضیۃ''۔

۳۴- ''المسند الکبیر'' اور ''المعجم'' کے مصنف ابویعلی احمد بن علی بن المثنی موصلیؒ (م: ۳۰۷ھ): موصوف نے علی بن الجعدؒ اور اس طبقہ کے محدثین سے علم حدیث کی تحصیل کی، حافظ ابوعلی فرماتے ہیں: ''اگر ابویعلیؒ بشر بن ولیدؒ کے پاس امام ابو یوسفؒ کی کتابیں پڑھنے میں مشغول نہ ہوتے تو آپ کی ملاقات بصرہ میں سلیمان بن حربؒ اور ابوداؤد طیالسیؒ سے ممکن ہوجاتی'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی کتابیں بہت بڑی تعداد میں تھیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کی کتابیں حافظ ابویعلیؒ کے علو سند کی راہ میں حائل نہ ہوتیں، جب کہ محدثین سماع میں بہت جلد بازی کیا کرتے تھے، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ''۔

۳۵- حافظ محمد بن احمد بن حماد ابو بشر دولابیؒ (م: ۳۱۰ھ): موصوف ''الکنی'' اور دیگر مفید کتابوں کے مصنف ہیں، امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں: ''لوگوں نے آپ کے بارے میں کلام کیا ہے؛ لیکن آپ کے بارے میں خیر کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ظاہر ہوئی'' لہٰذا ابن عدیؒ کا یہ تبصرہ کہ ابن حمادؒ نعیم کے بارے میں مہتم ہیں تجاوز پر مبنی ہے، جیسا کہ ان کی عادت ہے، ملاحظہ فرمائی: ''تذکرۃ الحفاظ''۔

۳۶- حافظ ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ (م:۳۲۱ھ): موصوف کے حفظ حدیث، مہارت فی الرجال اور تفقہ کا دائرہ انتہائی وسیع تھا، ''رجال معانی الآثار'' میں امام عینیؒ نے آپ کی سیرت کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، امام طحاویؒ کے تینوں اہم شیوخ: بکار بن قتیبہؒ، ابن ابی عمرانؒ اور ابوحازمؒ عظیم حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔

۳۷- حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام، سعدی (م: ۳۳۵ھ کے آس پاس) آپ کا ذکر حافظ ذہبیؒ کی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں امام نسائیؒ کے ترجمہ میں موجود ہے، موصوف نے نسائی، طحاوی، اور ابوبشر دولابی سے علم حدیث کی تحصیل کی، آپ کی کتاب ''فضائل ابی حنیفة وأخبارہ و مناقبه'' ایک ضخیم جلد میں ہے اور آپ کی دوسری تصنیف ''مسند أبی حنیفة'' کو سترہ مسانید میں ایک اہم مقام حاصل ہے، آپ کے پوتے کی سیرت ''قضاۃ مصر'' اور ''الجواہر المضیۃ'' میں موجود ہے۔

۳۸- حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد حارثی بخاریؒ (م: ۳۴۰ھ): موصوف ''مناقب أبی حنیفة'' کے مصنف ہیں، نیز آپ ''مسند أبی حنیفة'' کے بھی جامع ہیں، جس میں آپ نے بکثرت طرقِ حدیث کو ذکر کیا ہے، ابن مندہؒ نے آپ سے بکثرت روایات لی ہیں اور موصوف کے بارے میں آپ کی رائے اچھی تھی، بعض لوگوں نے تعصب کی بنا پر آپ پر کلام کیا ہے، آپ پر سب سے بڑا الزام یہ عائد کیا گیا ہے کہ آپ ''مسند أبی حنیفة'' میں اباء بن جعفر نجیرمی کے طریق سے بکثرت احادیث کی روایات کرتے ہیں؛ لیکن ان متعصبین کو اس نکتہ کا پتہ نہیں ہے کہ اس شخص سے آپ نے وہ احادیث نہیں لی ہیں، جس میں یہ منفرد ہے؛ بلکہ وہ روایات لی ہیں، جس میں اس کا کوئی شریک موجود ہے، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے محمد بن سعید مصلوب اور کلبی کے ساتھ کیا ہے؛ لیکن کیا کیا جائے تعصب اور ہٹ دھرمی کا، یہ انسان کو واقعی اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''الجواهر المضیة'' اور ''تعجیل المنفعة''۔

۳۹- ابوالقاسم علی بن محمد تنوخیؒ (م: ۳۴۲ھ): جیسا کہ خطیب بغدادیؒ نے فرمایا ہے موصوف ایک متثبت حافظِ حدیث تھے، آپ امام ابوالحسن کرخیؒ کے شاگردوں میں تھے۔

۴۰- متعدد کتابوں کے مصنف، حافظِ حدیث، قاضی ابوالحسین عبدالباقی بن قانعؒ (م: ۳۵۱ھ): خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''ہمارے اکثر مشائخ آپ کی توثیق کرتے تھے'' حسن بن فراتؒ فرماتے ہیں: ''آپ وفات سے دو سال قبل اختلاط کے شکار ہو گئے تھے''۔

۴۱- حافظ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص (م: ۳۷۰ھ): موصوف فقہ، اُصولِ فقہ اور حدیث میں امام تھے، ''سنن ابی داؤد، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، مسند ابی داؤد الطیالسی'' کی احادیث آپ کو اچھی طرح سے مستحضر تھیں، ان کتابوں میں سے کوئی بھی حدیث آپ کسی بھی مقام پر سند کے ساتھ ذکر کرنے پر قادر تھے، آپ کی کتاب ''الفصول فی الاصول'' اور ''مختصر الطحاوی'' اور ''الجامع الکبیر'' پر آپ کی شروحات اور آپ کی کتاب ''احکام القرآن'' چند ایسی کتابیں ہیں، جو آپ کی بے نظیر مہارت کا ثبوت ہیں، رجال کے باب میں آپ کی مہارت کا علم اختلافی مسائل کے دلائل میں آپ کے مباحث سے بالکل واضح ہے۔

۴۲- حافظ محمد بن مظفر بن موسیٰ بغدادیؒ (م:۳۷۹ھ): موصوف ''مسند أبي حنيفة'' کے مصنف ہیں، امام دارقطنی آپ کی تعظیم کرتے تھے، آپ کا شمار جلیل القدر حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''تذكرة الحفاظ''۔

۴۳- حافظ ابونصر احمد بن محمد کلاباذیؒ (م:۳۷۸ھ): موصوف ''رجال البخاری'' کے مصنف ہیں، امام دارقطنی آپ کے علم وفہم کے مداح تھے، آپ اپنے زمانہ میں ماوراء النہر کے سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے، ملاحظہ فرمائیں: ''تذكرة الحفاظ''۔

۴۴- ابوحامد احمد بن حسین مروزیؒ، آپ ابن الطبری سے معروف ہیں، آپ کی وفات ۳۷۶ھ میں ہوئی، آپ حدیث اور روایت میں اتقان کے ساتھ متصف تھے، ملاحظہ فرمائیں: ''الجواہر المضیۃ''۔

۴۵- ''مسند أبي حنيفة'' کے مصنف حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر المعدل بغدادیؒ (م:۳۸۰ھ)۔

۴۶- ماوراء النہر کے شیخ حافظ ابوالفضل سلیمانی احمد بن علی بیکندیؒ (م:۴۰۴ھ): آپ سے جعفر مستغفریؒ نے احادیث کی روایت کی، ملاحظہ فرمائیں: ''تذكرة الحفاظ''۔

۴۷- ''تاریخ بخاری'' کے مصنف حافظ غنجار ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد بخاریؒ (م:۴۱۲ھ)، ملاحظہ فرمائیں: ''تذكرة الحفاظ''۔

۴۸- متعدد کتابوں کے مصنف حافظ ابوالعباس جعفر بن محمد مستغفریؒ (م:۴۳۲ھ)، ملاحظہ فرمائیں: ''تذكرة الحفاظ'' اور ''الجواہر المضیۃ''۔

۴۹- حافظ ابن سعد سمان، اسماعیل بن علی بن زنجویہ رازیؒ (م:۴۴۵ھ): موصوف اپنی بدعتوں کے باوجود حدیث، رجال اور حنفی فقہ میں امام تھے، ملاحظہ فرمائیں: ''تذكرة الحفاظ'' اور ''الجواہر المضیۃ''۔

۵۰- حافظ عمر بن احمد نیساپوریؒ (م:۴۶۷ھ) ملاحظہ فرمائیں: عبد الغافر فارسی کی ''الأربعین'' اور ''الجواهر المضية''۔

۵۱- حافظ ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ نیساپوری حاکمؒ (م:۴۹۰ھ)، ملاحظہ فرمائیں: ''تذكرة الحفاظ'' اور ''الجواہر المضیۃ''۔

۵۲- حافظ ابومحمد حسن بن احمد بن محمد سمرقندیؒ (م:۴۹۱ھ): موصوف نے امام مستغفریؒ کے پاس علم حاصل کیا، ابوسعدؒ فرماتے ہیں: ''آپ کے وقت میں آپ کی طرح اس فن میں مشرق اور مغرب میں کوئی بھی نہیں تھا، آپ کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے ''بحر الاسانید من صحاح المسانید'' جو آٹھ سو اجزاء میں ہے، جس میں آپ نے ایک لاکھ حدیثوں کو جمع کیا ہے، اگر اس کو مرتب انداز میں جمع کر دیا گیا ہوتا تو اسلام میں کوئی بھی ایسی کتاب نہ ہوتی، ملاحظہ فرمائیں: ''تذكرة الحفاظ''۔

۵۳- بقیۃ المسندین، ہرات کے محدث وزاہد نصر بن احمد بن ابراہیمؒ (م: ۵۱۰ھ)۔

۵۴- محدثِ سمرقند، اسحاق بن محمد بن ابراہیم تنوخی نسفیؒ (م: ۵۱۸ھ)۔

۵۵- ''مسند أبي حنيفة'' کے مصنف، محدث ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخیؒ (م: ۵۲۲ھ) ابن حجرؒ نے آپ پر قاضی مارستانیؒ کی مسند روایت کرنے کی وجہ سے مواخذہ کیا ہے اور یہ نقد کیا ہے کہ ان کی کوئی مسند نہیں ہے؛ لیکن آپ کے شاگرد سخاویؒ اس مسند کو تدمریؒ سے اور وہ میدومیؒ سے اور وہ نجیبؒ سے اور وہ ابن الجوزیؒ سے اور وہ اس مسند کے جامع قاضی مارستانیؒ سے روایت کرتے ہیں، اس سے حافظ ابن حجرؒ کا تہور ظاہر ہوجاتا ہے۔

۵٦- حافظ ابوحفص ضیاء الدین عمر بن بدر ابن سعید موصلیؒ (م: ٦۲۲ھ)۔

۵۷- ابوالفضائل حسن بن محمد صغانیؒ، (م: ٦۵۰ھ): موصوف لغت، فقہ اور حدیث کے امام تھے، آپ کے علمی کارنامے ''العباب، المحكم، مشارق الانوار'' ہیں۔

۵۸- ''المعجم'' کے مصنف، محدث جوال ابومحمد عبدالخالق بن اسد دمشقیؒ (م: ۵٦۴ھ)۔

۵۹- محدثِ شام، تاج الدین ابوالیمن زید بن الحسن کندیؒ (م: ٦۱۳ھ)۔

٦۰- امام ومسند، ابوعلی حسن بن مبارک زبیدیؒ (م: ٦۲۹ھ)۔

٦۱- صحیح بخاری کے راوی، آپ کے برادر حسین زبیدیؒ (م: ٦۳۰ھ): ''ذیول تذکرۃ الحفاظ'' پر اس عاجز کی تعلیقات ملاحظہ فرمائیں۔

٦۲- امام ومحدث جمال الدین ابوالعباس احمد بن محمد ظاہریؒ (م: ٦۹٦ھ): موصوف نے فخر الدین بخاریؒ کے مشیخہ کی تخریج پانچ اجزاء میں کی ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ'' اور ''الجواہر المضیۃ''۔

٦۳- ''اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب'' اور امام طحاویؒ کی ''شرح معانی الآثار'' کے شارح مؤلف محدث ابومحمد علی بن زکریا بن مسعود انصاری منبجیؒ (م: ٦۹۸ھ کے آس پاس) آپ کے صاحبزادہ محمد کا ذکر ''الجواہر المضیۃ'' اور ''الدرر الکامنۃ'' میں موجود ہے۔

٦۴- ابوالعلا محمود بخاریؒ، آپ کی وفات ماردین میں ۷۰۰ھ میں ہوئی، آپ کی مشیخہ تقریباً سات سو شیوخ پر مشتمل ہے، آپ سے مزیؒ، برزالیؒ، ذہبیؒ اور ابوحیانؒ جیسے ائمہ نے حدیث کا سماع کیا، ملاحظہ فرمائیں: ''الجواهر المضية'' اور ''الفوائد البهية في تراجم الحنفية''۔

٦۵- ''الہدایۃ'' کے شارح شمس الدین سروجی احمد بن ابراہیم بن عبدالغنیؒ (م: ۷۰۱ھ)۔

٦٦- ''تلخیص الخلاطی'' کے شارح اور ''الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان'' کے مؤلف علاء الدین علی بن بلبان فارسیؒ (م: ۷۳۱ھ)۔

٦٧- محدث کبیر بن المہندس محمد بن ابرہیم بن غنائم ،شروطیؒ (م: ٧٣٣ھ)۔

٦٨- حافظ قطب الدین عبدالکریم بن عبدالنور حلبیؒ (م: ٧٣٥ھ): موصوف نے بیس جلدوں میں صحیح بخاری کی شرح لکھی اور آپ اس کے علاوہ ''الاهتمام بتلخيص الإلمام ، القدح المعلى فی الكلام على بعض أحاديث المحلى '' کے مصنف ہیں، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ'' پر حسینی کی ''الذیل''۔

٦٩- حافظ امین الدین محمد بن ابراہیم وانیؒ (م: ٧٣٥ھ)، ملاحظہ فرمائیں ''تذکرۃ الحفاظ'' پر امام سیوطی کی ''الذیل''۔

٧٠- حافظ شمس الدین سروجی محمد بن علی بن ایبکؒ (م: ٧٤٤ھ)، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ'' کی ذیول۔

٧١- ''الجوہر النقی '' کے مؤلف حافظ علاء الدین علی بن عثمان ماردینیؒ (م: ٧٤٩ھ): امام جمال الدین زیلعیؒ، حافظ بعد القادر قرشیؒ ''المعتصر '' کے مصنف جمال الدین ملطیؒ اور حافظ زین الدین عراقیؒ وغیرہ نے آپ کے یہاں سندِ فضیلت حاصل کی، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ'' کی ''ذیول''۔

٧٢- حافظ ابن الوانی عبداللہ بن محمد بن ابراہیمؒ (م: ٧٤٩ھ)، ملاحظہ فرمائیں: حسینی کی ''الذیل''۔

٧٣- ''نصب الراية فی تخريج أحاديث الهداية'' کے مصنف حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ (م: ٧٦٢ھ)۔

٧٤- حافظ علاء الدین مغلطائی بکجریؒ (م: ٧٦٢ھ)، ملاحظہ فرمائیں ابن فہد کی ''الذیل''۔

٧٥- بدرالدین محمد بن عبداللہ شبلیؒ (م: ٧٦٠ھ): آپ کے والد ماجد دمشق میں مدرسہ شبلیہ کے نگران تھے، اسی لئے آپ کو اس کی جانب منسوب کردیا گیا، ملاحظہ فرمائیں: ''الدرر الكامنة فی أعيان المائة الثامنة''۔

٧٦- حافظ عبدالقادر قرشیؒ (م: ٧٧٥ھ)، ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۃ الحفاظ'' کی ذیول۔

٧٧- ''مختصر أنساب الرشاطی'' کے مصنف امام مجدالدین اسماعیل بلبیسیؒ (م: ٨٠٢ھ)۔

٧٨- ''المعتصر '' کے مؤلف علامہ جمال الدین یوسف بن موسیٰ ملطیؒ (م: ٨٠٢ھ)۔

٧٩- ''المسائل الشريفة فی أدلة مذهب الإمام أبی حنيفة'' کے مؤلف علامہ شمس الدین محمد بن عبداللہ دیریؒ (م: ٨٢٧ھ)۔

٨٠- محدث ابوالفتح احمد بن عثمان بن محمد کلوتاتی کرمانیؒ (م: ٨٣٥ھ): موصوف بڑی بڑی کتابوں کی روایت، سماع اور اسماع میں کافی شہرت رکھتے تھے، ملاحظہ فرمائیں: ''الضوء اللامع لأهل القرن التاسع''۔

۸۱- محدث عزالدین عبدالرحیم بن محمد بن فراتؒ (م:۸۵۱ھ): موصوف کا شمار محدثین مکثرین اور عالی الاسناد حفاظ میں ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''الضوء اللامع لأھل القرن التاسع''۔

۸۲- حافظ بدرالدین عینی محمود بن احمدؒ (م:۸۵۵ھ): مکتبہ منیریہ سے طبع ہونے والے ''عمدۃ القاری'' کے مقدمہ میں آپ کی سیرت اس عاجز نے قدرے توسع سے بیان کیا ہے۔

۸۳- ''فتح القدیر'' کے مصنف امام کمال الدین بن الھمام محمد بن عبدالواحدؒ (م:۸۶۱ھ)۔

۸۴- امام سروجیؒ کی شرح ہدایہ کے تکملہ کے مصنف سعدالدین بن شمس الدین دیریؒ (م:۸۶۷ھ)۔

۸۵- امام تقی الدین احمد بن محمد شمنیؒ (م:۸۷۲ھ): آپ کی کتاب ''کمال الدرایۃ فی شرح مختصر النقایۃ'' احادیثِ احکام پر آپ کے کامل دسترس کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

۸۶- حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م:۸۷۹ھ): ''الاختیار'' اور ''أصول البزدوی'' پر آپ کی تخریجات اور اسی طرح سے حدیث اور فقہ کے موضوع پر آپ کی تصنیف کردہ ساری کتابیں حدیث اور فقہ میں آپ کی کوہ قامت شخصیت کی غماز ہیں، ملاحظہ فرمائیں: ''الضوء اللامع لأھل القرن التاقع''۔

۸۷- ''مبارق الأزھار شرح مشارق الأنوار'' کے مؤلف عبداللطیف بن عبدالعزیزؒ (م:۸۸۵ھ): آپ ابن ملکؒ سے مشہور ہیں، ملاحظہ فرمائیں: ''شذرات الذھب''۔

۸۸- امام بغویؒ کی ''مصابیح السنۃ'' کے شارح، آپ کے فرزند محمد بن عبداللطیف معروف بہ ابن ملکؒ، آپ کی ایک کتاب ''شرح الوقایۃ'' بھی ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''الفوائد البھیة فی تراجم الحنفیة''۔

۸۹- ''التجرید الصریح لأحادیث الجامع الصحیح'' کے مؤلف شہاب الدین ابوالعباس احمد بن عبداللطیف شرجی زبیدیؒ (م:۸۹۳ھ)۔

۹۰- امام شمس الدین محمد بن علی دمشقیؒ (م:۹۵۳ھ): موصوف ابن طولونؒ سے جانے جاتے ہیں، آپ حدیث اور فقہ کے بڑے ائمہ میں شمار کئے جاتے ہیں، آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔

۹۱- امام سیوطیؒ کی ''الجامع الکبیر'' کو ''کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال'' کی شکل میں ترتیب دینے والے امام علی المتقی بن حسام الدین ہندیؒ، ابوالحسن بکریؒ فرماتے ہیں: ''آپ کا سیوطی پر احسان ہے'' آپ کی وفات: ۹۷۵ھ میں ہوئی۔

۹۲- ملک المحدثین: شیخ محمد بن طاہر پٹنی گجراتیؒ، موصوف ''مجمع بحار الانوار، تذکرۃ الموضوعات، المغنی'' اور فن حدیث اور غریب الحدیث کے موضوع پر کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں، آپ نے ۹۸۷ھ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

۹۳- محدث علی بن سلطان محمد قاری ہرویؒ (م: ۱۰۱۴ھ): ''مشکوۃ المصابیح'' اور ''مختصر الوقایۃ'' پر آپ کی دونوں شرحیں احادیثِ احکام کے موضوع پر اہم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں، موصوف نے قطب الدین نہروالیؒ اور عبداللہ سندھیؒ کے پاس تکمیل علوم کیا۔

۹۴- محدث احمد بن محمد بن احمد بن یونس چلپیؒ (م: ۱۰۲۱ھ)۔

۹۵- ہندوستان کے مایۂ ناز محدث عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ، موصوف ''**لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح**'' اور ''**التبیان فی أدلة مذهب الإمام أبی حنیفة النعمان**''(۱) کے مصنف ہیں، آپ کی وفات: ۱۰۵۲ھ میں ہوئی، آپ نے علی المتقیؒ کے شاگرد عبدالوہاب متقیؒ اور علی القاریؒ سے علم حاصل کیا، آپ سے محمد حسین خافیؒ اور ان سے حسن عجیمی نے روایت حدیث کی۔

۹۶- محدث ایوب بن احمد بن ایوب خلوتی دمشقیؒ (م: ۱۰۷۱ھ)۔

۹۷- محدث حسن بن علی عجیمی مکیؒ (م: ۱۱۱۳ھ): آپ کی مرویات کی اسانید'' **كفاية المستطلع**'' میں دو جلدوں میں موجود ہیں۔

۹۸- اُصولِ ستہ اور مسندِ احمد پر حواشی کے مصنف ابوالحسن کبیرؒ بن عبدالہادی سندھیؒ (م: ۱۱۳۹ھ)۔

۹۹- اُصولِ سبعہ کے اطراف الحدیث کے موضوع پر'' ذخائر المواریث'' کے مؤلف شیخ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسیؒ (م: ۱۱۴۳ھ)۔

۱۰۰- محدث محمد بن احمد عقیل مکیؒ (م: ۱۱۵۰ھ): موصوف ''**المسلسلات**'' اور کئی اثبات کے مصنف ہیں، اس کے علاوہ تفسیر القرآن بالماثور کے موضوع پر آپ کی ایک کتاب ''**الدر المنظوم**'' ہے اور علوم القرآن کے موضوع پر آپ کی کتاب ''**الزيادة والإحسان فی علوم القرآن**'' ہے، جس کے ذریعہ موصوف نے امام سیوطیؒ کی ''الاتقان'' کی تہذیب وترتیب کی اور قرآن کے دیگر علوم کا اس میں اضافہ بھی کیا ہے، آپ کی اکثر تصانیف استنبول میں علی پاشا حکیمؒ کی لائبریری میں موجود ہیں، آپ نے عجیمیؒ وغیرہ سے روایت حدیث کی۔

۱۰۱- شیخ عبداللہ بن محمد اماسیؒ، موصوف نے ''نجاح القاری فی شرح البخاری'' کے نام سے صحیح بخاری کی تیس جلدوں میں شرح لکھی اور ''عنایۃ المنعم فی شرح صحیح مسلم'' کے نام سے صحیح مسلم کی شرح لکھی، جس میں آپ مسلم کے نصف ہی تک پہنچ سکے، آپ کی وفات: ۱۱۶۷ھ میں ہوئی۔

---

(۱) اس کتاب کا اصل نام ''فتح المنان فی تایید مذہب النعمان'' ہے، صاحبِ ''فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت'' علامہ عبدالعلی سہالوی لکھنویؒ نے بھی جلد: ۲، ص: ۲۳۴ پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اس کتاب کا یہی نام ذکر کیا ہے، استاذِ محترم محدثِ جلیل بحر العلوم مولانا نعمت اللہ اعظمی دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں احقر سے یہ ذکر فرمایا کہ اس کتاب کا ملخص دیوبند سے بہت پہلے شائع ہوا تھا۔

۱۰۲- ''تحفة الراوي في تخريج احاديث البيضاوي '' کے مؤلف محمد بن الحسن معروف بہ ابن ہمات دمشقیؒ (م:۱۱۷۵ھ)۔

۱۰۳- ''إحياء علوم الدين '' کے شارح اور'' عقود الجواهر المنيفة في ادلة مذهب الإمام أبي حنيفة '' کے مؤلف سید محمد مرتضیٰ زبیدیؒ، (م:۱۲۰۵ھ)۔

۱۰۴- ''حديقة الرياحين في طبقات مشايخنا المسندين '' اور پانچ ضخیم جلدوں میں ''التحقيق الباهر شرح الأشباه والنظائر '' کے مؤلف محدث وفقیہ محمد ہبۃ اللہ بعلیؒ، موصوف کی وفات: ۱۲۲۴ھ میں استنبول میں ہوئی، جن لوگوں نے آپ کی وفات کو دمشق میں بتایا ہے ان سے واضح طور پر وہم ہوا ہے۔

۱۰۵- ''ردالمحتار علی الدرالمختار'' کے مصنف علامہ محمد امین بن عمر معروف بہ ابن عابدینؒ (م:۱۲۵۲ھ): موصوف بہت سی شہرہ آفاق کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کی اسانید اور مرویات آپ کی ثبت '' عقود اللآلي في الأسانيد العوالي ''میں موجود ہیں۔

۱۰۶- ''حصر الشارد'' اور سولہ ضخیم جلدوں میں ''طوالع الأنوار علی الدرالمختار'' کے مؤلف اور کئی جلدوں میں مسندِ ابوحنیفہ کے شارح شیخ محمد عابد سندھی، (م:۱۲۵۷ھ)۔

۱۰۷- شیخ عبدالغنی مجددیؒ (م:۱۲۹۶ھ): آپ کی تمام اسانید'' اليانع الجني في أسانيد الشيخ عبد الغني ''میں موجود ہیں۔

۱۰۸- شیخ محمد عبدالحئ لکھنویؒ، موصوف اپنے زمانہ میں احادیثِ احکام کے سب سے بڑے ماہر عالم تھے، آپ کی وفات: ۱۳۰۴ھ میں ہوئی؛ لیکن مذہب حنفی میں شیخ کی بہت سی شاذ آراء ہیں، جنھیں قبول نہیں کیا جاسکتا، آپ جرح وتعدیل کی کتابوں کے سامنے سرتسلیم خم کردیتے تھے؛ حالاں کہ آپ اس فن کی اندرونی پیچیدگیوں سے واقف نہیں تھے، جو لوگ اس فن کی نزاکتوں سے واقف ہیں ان کے نزدیک یہ رویہ قطعاً قابل قبول نہیں ہوسکتا ہے۔

۱۰۹- شیخ محقق محمد حسن سنبھلیؒ، موصوف شیخ عبدالحئ لکھنویؒ کے معاصر اور دوست تھے اور آپ ہی کی طرح موصوف بھی قلت عمر کے باوجود متعدد موضوعات پر ڈھیر ساری کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کی ولادت: ۱۲۶۴ھ اور وفات: ۱۳۰۵ھ میں ہوئی، آپ سو یا اس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کی بعض کتابیں کئی ضخیم جلدوں میں ہیں، جیسے ہدایہ پر آپ کا حاشیہ وغیرہ، آپ کی تصنیف'' تنسيق النظام في مسند الامام ''فن حدیث، رجال اور علل میں آپ کے نبوغ وکمالِ براعت کا بین ثبوت ہے۔

۱۱۰- ہمارے شیخ المشائخ محدث احمد ضیاء الدین بن مصطفیٰ کمشخانویؒ (م:۱۳۱۱ھ): موصوف نے ایک

ضخیم جلد میں ''راموز احادیث الرسول'' کی تالیف کی اور پھر ''لوامع العقول'' کے نام سے پانچ جلدوں میں اس کی شرح تصنیف کی، اس کے علاوہ آپ کی تقریباً پچاس تصانیف ہیں۔

سرزمین ہند میں فن حدیث میں مذہب حنفی کے ماہر علماء کی ایک بھاری تعداد موجود ہے، جن کا بالاستیعاب ذکر تقریباً محال ہے، اللہ اس طرح کے علماء کی تعداد میں اضافہ کرے، حنفی محدثین کا یہ ایک مختصر گلدستہ ہے، ہم نے یہاں ان کے ناموں کا ذکر اس لئے کیا ہے؛ تاکہ اس مختصر لسٹ سے اس عظیم تعداد کا اندازہ ہوجائے، جس کا ہم نے یہاں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

تکملہ وذیل

چوں کہ استاذ کوثریؒ نے اپنی اس کتاب میں ہندوستان کے محدثین کی ایک جماعت کا ذکر کردیا ہے، تو میں نے بھی اس موضوع کے تکملہ کے طور پر اس سرزمین سے تعلق رکھنے والے کچھ اور محدثین کا ذکر کرنا مناسب سمجھا، میں نے بھی موصوف کی طرح ان محدثین کے تذکرہ میں بطور اختصار ایک یا دو ہی سطر پر اکتفا کیا ہے، میں نے صرف ان محدثین کو ذکر کرنے کی طرف توجہ دی ہے جن کی فن حدیث میں کوئی نہ کوئی کتاب ہے، یا اس فن میں ان کو شہرت حاصل ہے، اور یہ سب میں نے وفات اور طبقات کو سامنے رکھتے ہوئے ترتیب کے ساتھ ایک ہی مجلس میں جمع کیا ہے، اللہ سے توفیق کا خواستگار ہوں۔ (بنوری)

۱- محدث شیخ محمد حیات سندھیؒ، (م: ۱۱۶۳ھ) مدینہ منورہ میں۔

۲- محقق محدث اور شیخ ہاشم بن عبدالغفور سندھیؒ، موصوف کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جیسے ''فاکهة البستان'' اور ''ترتيب صحيح البخاري على ترتيب الصحابة'' وغیرہ۔

۳- شیخ ابوالحسن سندھیؒ کے معاصر اور اُصولِ ستۃ پر حواشی کے مصنف محدث ابوالطیب سندھیؒ، (م: ۱۱۴۰ھ کے آس پاس)۔

۴- شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد اور سابق الذکر شیخ ہاشم اور شیخ محمد حیاتؒ کے بڑے شیخ، محمد معین سندھیؒ، (م: ۱۱۸۰ھ کے آس پاس)۔

۵- ہندوستان میں علم حدیث کی تحریک کے سرخیل و بانی: ''حجة الله البالغة ، إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء ، الإنصاف في أسباب الاختلاف ، عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد'' مؤطا امام مالکؒ کی دونوں شرحوں ''المصفى شرح المؤطا ، المسوى شرح المؤطا'' اور ''الإرشاد إلى مهمات الإسناد ، شرح تراجم أبواب البخاري'' اور ''الانتباه في سلاسل

أو لیاء الله''اوراس جیسی بہت سی جلیل القدر کتابوں کے مصنف، محدثِ کبیر، حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، آپ کی کتاب ''الانتباہ'' کا دوسرا حصہ فقہ اور حدیث کی اسانید پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں فن حدیث سے متعلق بہت سے قیمتی علمی جواہر پارے ہیں؛ لیکن یہ حصہ غیر مطبوع ہے، یہ مکہ میں شیخ عبیداللہ دیوبندیؒ کے پاس موجود ہے، آپ ہی کی ذاتِ گرامی اسنادِ حدیث میں دیو بند کے محدثین کا مرجع ہے۔

۶- علم حدیث میں شاہ ولی اللہؒ کے شیخ اور معروف محدث شیخ عبداللہ بن سالم بصری مکیؒ کے شاگرد، محدث محمد افضل سیالکوٹی، ثم الدہلویؒ۔

۷- محدث شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م:۱۲۳۹ھ): موصوف ''بستان المحدثین''، علم حدیث کے بنیادی علوم کے موضوع پر لکھی گئی ''العجالة النافعة'' اور ''التحفة الإثنی عشریة'' وغیرہ کتابوں کے مصنف ہیں۔

۸- محدثِ کبیر، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، موصوف شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شاگرد ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ آپ کو بیہقی العصر کہا کرتے تھے، آپ نے قرآن کریم کی ایک شاندار تفسیر لکھی ہے، (۱) احادیث احکام اور اس کے دلائل کے سلسلہ میں اس کتاب کی کوئی نظر نہیں ہے، یہ کتاب پوری مطبوع نہ ہوسکی، آپ کی ایک دوسری کتاب ''منارالاحکام'' ہے اور یہ بھی غیر مطبوع ہے، اس کے علاوہ آپ کی دوسری کتابیں بھی ہیں۔

۹- شاہ عبدالقادرؒ بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ، (م:۱۲۳۰ھ)۔

۱۰- شاہ رفیع الدینؒ بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ، (م:۱۲۳۳ھ)۔

۱۱- محدث شیخ عبدالحئی دہلویؒ، موصوف کا شمار شاہ عبدالعزیزؒ کے کبارِ تلامذہ میں ہوتا ہے۔

۱۲- شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے، مسندِ الہند، محدث محمد اسحاق دہلویؒ، (م:۱۲۶۲ھ)۔

۱۳- محمد اسحاق دہلویؒ کے بھائی محمد یعقوبؒ، (م:۱۲۸۲ھ)۔

۱۴- شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے شیخ عبدالقیومؒ، موصوف نے شیخ محمد اسحاقؒ سے علم حاصل کیا، آپ کی وفات:۱۲۹۹ھ میں ہوئی۔

---

(۱) یہ تفسیر ہندوستان اور پاکستان سے بارہا طبع ہوچکی ہے اور بیروت لبنان سے بھی شائع ہوچکی ہے، اس کتاب کا اُردو ترجمہ بھی طبع ہوچکا ہے، یہ تفسیر علمی حلقہ میں تفسیر مظہری کے نام سے معروف ہے اور برصغیر کے دینی مدارس، علماء اور طلبہ میں کافی متداول بھی ہے، علامہ بنوریؒ کا یہ کہنا کہ اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ہے، شاید مبالغہ پر مبنی ہے، اگر چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تفسیر مظہری واقعی نہایت عمدہ، جامع اور مستند تفسیر ہے۔

۱۵- محدث محمد اسماعیل دہلویؒ، موصوف نے کفار کے ساتھ ۱۲۴۶ھ میں جہاد کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

۱۶- محدث شیخ احمد علی سہارنپوریؒ (م: ۱۲۹۷ھ): موصوف ''صحیح البخاری'' کی ایک عمدہ اور جامع شرح کے مصنف ہیں۔

۱۷- سرزمین ہند میں علمی اور دینی گہوارہ، دارالعلوم دیوبند کے بانی، شیخ عارف، محدث محمد قاسم نانوتوی دیوبندیؒ (م: ۱۲۹۷ھ): موصوف متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۸- محدث رشید احمد گنگوہی دیوبندیؒ (م: ۱۳۲۳ھ): موصوف متعدد عظیم کتابوں کے مؤلف ہیں۔

۱۹- محدث محمد یعقوب نانوتوی دیوبندیؒ، موصوف کی وفات: ۱۳۰۰ھ کے آس پاس ہوئی۔

۲۰- مولانا (رشید احمد) گنگوہیؒ کے شاگرد، شیخ فخر الحسن گنگوہی دیوبندیؒ، موصوف کا ''سنن أبی داوٗد'' پر ایک عمدہ حاشیہ ہے۔

۲۱- شیخ احمد حسن امروہوی دیوبندیؒ (م: ۱۳۳۰ھ): موصوف مولانا نانوتویؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

۲۲- محدثِ کبیر، استاذ العالم، شیخ محمود حسن دیوبندیؒ (م: ۱۳۳۹ھ): آپ کو شیخ الہند کے گرانقدر لقب سے نوازا گیا، حدیث، تفسیر اور علم کلام کے موضوعات پر آپ کی متعدد بلند پایہ اور تحقیقی تصانیف موجود ہیں۔

۲۳- ''آثار السنن'' کے مؤلف اور علم حدیث سے متعلق مسائل پر متعدد رسائل کے مصنف شیخ محدث ظہیر احسن نیمویؒ، (م: ۱۳۲۲ھ)۔

۲۴- محدثِ کبیر، امام العصر محمد انور شاہ کشمیری، ثم الدیوبندیؒ (م: ۱۳۵۲ھ): موصوف کی کئی ایسی جامع تصانیف ہیں، جن میں حیرت انگیز تحقیق خزانے پیش کئے گئے ہیں، جیسے: ''فصل الخطاب فی مسألة أم الکتاب، نیل الفرقدین فی مسألة رفع الیدین، کشف الستر، فیض الباری'' وغیرہ۔

۲۵- محدث محمد اشرف علی تھانوی، دیوبندیؒ (م: ۱۳۶۲ھ، ۱۹۴۳ء): موصوف حکیم الامت کے لقب سے معروف ہیں، آپ کی تالیفات پانچ سو سے بھی متجاوز ہو چکی ہیں، شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس میں آپ کی کوئی تصنیف موجود نہ ہو۔

۲۶- محدث رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد، صوبہ پنجاب کے محدث حسین علی میانوالیؒ۔

۲۷- کئی ضخیم جلدوں میں صحیح مسلم کی شرح ''فتح الملہم'' کے مصنف اور اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت کے شیخ الحدیث، محقق العصر محدث شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ، (م: ۱۳۶۹ھ، ۱۹۴۹ء)۔

۲۸- دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، شیخ العصر محدث حسین احمد مدنیؒ، (م: ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء)۔

۲۹- ہندوستان کے مفتی اعظم اور مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث، محدث ومحقق شیخ محمد کفایت اللہ دہلویؒ، (م: ۱۳۷۲ھ، ۱۹۵۲ء)۔

۳۰- محدث شیخ عبدالعزیز پنجابیؒ (م: ۱۳۵۹ھ): موصوف کے علمی کارناموں میں ''أطراف البخاری'' کتاب الحج تک ''تخریج الزیلعی'' پر حاشیہ وغیرہ ہیں، علم حدیث میں موصوف کی بیش بہا تحقیقات ہیں اور آپ کو رجال اور طبقات سے کافی مناسبت ہے۔

۳۱- فن حدیث وغیرہ میں متعدد نافع کتابوں کے مصنف، محدث شیخ مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ (م: ۱۳۹۱ھ): آپ کا سب سے عظیم علمی کارنامہ امام محمد بن الحسنؒ کی کتاب ''الآثار'' کی شرح ہے۔

۳۲- مشہور محدث شیخ محمد ادریس کاندھلویؒ (م: ۱۳۹۴ھ، ۱۹۷۴ء): موصوف کا علمی کارنامہ ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی شرح ہے، جو کہ پانچ ضخیم جلدوں میں ہے۔

۳۳- مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث، محدث محمد زکریا کاندھلویؒ (م: ۱۹۸۲ء): موصوف ''أوجز المسالک إلیٰ موطا امام مالک'' کے مصنف ہیں۔

۳۴- مردِ صالح، علامہ ابوالمحاسن عبداللہ حیدرآبادیؒ، موصوف پانچ ضخیم جلدوں میں ''زجاجۃ المصابیح'' کے مصنف ہیں، موصوف کی وفات ۱۳۸۳ھ یا ۱۳۸۴ھ میں اٹھاسی سے زائد کی عمر میں ہوئی۔

۳۵- داعیٔ اسلام، امامِ ربانی، عالم ملہم شیخ محمد یوسف کاندھلویؒ، موصوف ہندو پاک میں تبلیغی جماعت کے امیر تھے، آپ کی ولادت ۱۳۳۵ھ اور وفات بروز جمعہ ۳۰/ذوالقعدہ ۱۳۸۴ھ میں ہوئی، موصوف تین ضخیم جلدوں میں حیات الصحابہ کے مؤلف ہیں، اسی طرح آپ کی ایک دوسری کتاب امام طحاویؒ کی ''شرح معانی الآثار'' کی شرح ''أمانی الأخبار'' ہے، جس کی اب تک دو ضخیم جلدیں طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، یہ کتاب فقہ، حدیث اور ان سے متعلقہ علوم پر آپ کے مہارتِ تامہ کا بین ثبوت ہے۔

۳۶- محدثِ ماہر، علامہ محمد بدرِ عالم میرٹھی، موصوف امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد ہیں، آپ ہی نے امام کشمیریؒ کے امالی کو چار ضخیم جلدوں میں ''فیض الباری شرح صحیح البخاری'' میں مرتب کیا ہے، آپ کی اُردو زبان میں ایک دوسری کتاب ''ترجمان السنۃ'' ہے، جس کی اب تک تین یا اس سے زیادہ جلدیں طبع ہوچکی ہیں، موصوف کی وفات مدینہ منورہ میں ۳/رجب ۱۳۸۵ھ میں ہوئی۔

۳۷- محدث وفقیہ شیخ ظفر احمد عثمانیؒ، آپ کی ولادت ۱۳/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات ۱۳۹۴ھ، مطابق ۱۹۷۴ء میں ہوئی، موصوف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے ہیں، آپ کی متعدد

تصانیف ہیں، جن میں سے آپ کی کتاب ''اعلاء السنن''(۱) کو اپنے موضوع پر انفرادی مقام حاصل ہے، اس کتاب میں فقہ حنفی کے ابواب کی ترتیب کے ساتھ قرآن وسنت اور آثار کی روشنی میں دلائل کو جمع کیا گیا ہے، یہ کتاب دراصل بیس جلدوں میں ہے اور اب تک اس کی ۱۸ رجلدیں ہندو پاک میں طبع ہو چکی ہیں۔

۳۸- امام العصر، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید، محدث وفقیہ ابوالمحاسن محمد یوسف بنوریؒ، (م: ۱۳۹۷ھ، ۱۹۷۷ء): آپ کا علمی کارنامہ ''سنن الترمذی'' کی انتہائی جامع شرح ''معارف السنن'' ہے، یہ کتاب دس سے زیادہ جلدوں میں ہے، جس کا کچھ حصہ کراچی میں طبع ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کی تکمیل میں موصوف کو اعانت سے نوازے، (۲) موصوف ہی نے اس کتاب میں ہندوستان کے فاضل علماء اور محدثین کا یہ تکملہ نمبر: ۱ سے ۳۳ تک تحریر کیا ہے۔

۳۹- فقیہ ماہر، محدث جلیل، شیخ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ (م: ۱۴۱۲ھ، مطابق: ۱۹۹۲ء): موصوف کی متعدد عمدہ تعلیقات اور نادر تحقیقات ہیں، آپ فن رجال اور علل حدیث کے ماہر تھے، ''سنن سعید ابن منصور'' ابن المبارک کی ''کتاب الزھد، مسند الحمیدی، مسند احمد'' کی تعلیقات میں شیخ احمد شاکرؒ پر آپ کے استدراکات اور حالیہ دنوں میں طبع ہونے والی کتاب ''مصنف عبدالرزاق'' پر آپ کی تعلیقات آپ کی کوہ قامت شخصیت اور فن حدیث میں آپ کے ید طولیٰ کا بین ثبوت ہیں۔

---

(۱) یہ کتاب کئی جگہوں سے طبع ہو چکی ہے، اس کتاب کا سب سے بہتر وہ ایڈیشن ہے جو شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ پاکستان سے طبع کیا گیا ہے اور اسی نسخہ کی تصویر کردہ کاپی دیوبند میں بھی طبع ہو چکی ہے، اس کے علاوہ اس کتاب کا ایک تیسرا ایڈیشن عالم عرب میں دارالفکر سے بھی طبع ہوا ہے، اس کتاب کا ایک چوتھا ایڈیشن جو احقر کی نظر سے گزرا ہے وہ دارالکتب العلمیہ، بیروت کا ہے، جس پر محقق کا نام ابو حازم القاضی لکھا ہوا ہے، یہ اب تک کا سب سے بدتر نسخہ ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ اس ایڈیشن میں محقق نے متن میں دیئے گئے مصنف کے کلام کی جا بجا حاشیہ میں تردید کی ہے، جس سے کتاب کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، اس کا محقق واضح طور پر ابن تیمیہؒ، ابن القیمؒ اور ناصر الدین البانیؒ کا پکا مقلد محسوس ہوتا ہے۔

(۲) افسوس کہ یہ عظیم شرح مکمل نہ ہوسکی، احقر کے نزدیک اس شرح کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس کے اندر امام کشمیریؒ کے علوم کافی مقامات پر ملتے ہیں اور صحت واستناد کے ساتھ ملتے ہیں، ورنہ ''العرف الشذی'' جیسی کتابوں نے تو امام کشمیریؒ کی ساکھ کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ اہل علم کے یہاں معروف ہے اور اسی وجہ سے ''تحفۃ الاحوذی'' کے مؤلف مبارکپوریؒ کو احناف، امام کشمیریؒ اور اس شرح پر اعتراض اور تنقید کا بھی کافی موقع مل گیا۔

۴۰- محدث ناقد، شیخ ماہر علامہ محمد عبد الرشید نعمانیؒ (م: ۱۴۲۰ھ): موصوف کے قلم سے متعدد علمی میدانوں میں کامیاب علمی تحقیقات اور بلند نکات نکل چکی ہیں، آپ کی کتاب ''ماتمس إلیه الحاجة لمن یطالع سنن ابن ماجه'' اور ''دراسات اللبیب فی الاسوة الحسنة بالحبیب ، ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات'' اور مسعود بن شیبہؒ کے ''مقدمة التعلیم'' پر آپ کی تعلیقات علم حدیث میں آپ کی امامت کا ثبوت ہیں۔

آخر کے ان سات علماء: ۳۴ سے ۴۰ تک کا ذکر میں نے اپنے استاذ علامہ بنوریؒ کے بعد اپنی طرف سے بڑھایا ہے، ان کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان میں بہت سے ایسے محدثین ہیں، جن کی کتابیں میرے پاس موجود ہیں؛ لیکن میں ان کا ذکر یہاں نہیں کر سکا؛ کیوں کہ میں یہ تعلیقات اپنے ملک اور لائبریری سے دور کسی اور جگہ رقم کر رہا ہوں۔

• • •

خانوادۂ قاسمی کے سپوت
حضرت مولانا محمد اسلم قاسمیؒ

خالد سیف اللہ رحمانی

۱۹۷۶ء کی بات ہے کہ راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اس وقت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، ان کی شخصیت اپنی مثال آپ تھی، لوگ ڈر کر نہیں؛ بلکہ جذبۂ محبت اور اندرونی چاہت کی بنیاد پر ان کا احترام کرتے تھے، حضرت قاری صاحبؒ کے جدامجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دارالعلوم کے بانی تھے، ان کے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے چالیس سال دارالعلوم کی خدمت کی تھی، دارالعلوم کی بہت سی عمارتیں ان ہی کے عہد میں تعمیر ہوئیں اور دارالعلوم کی شہرت پورے برصغیر میں پہنچ گئی، پھر خود قاری صاحب کو ان کے بزرگوں نے مسند اہتمام پر بٹھایا اور تقریباً ساٹھ سال دارالعلوم کی خدمت ان کے حصہ میں آئی، اس عرصہ میں بہت سے تعلیمی شعبے قائم ہوئے، تعمیر کا بہت سارا کام انجام پایا، اساتذہ اور طلبہ کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا، تقسیم ملک کے وقت کے حالات بہت نازک تھے؛ لیکن ان کی حکیمانہ قیادت نے سفینے کو ساحل مراد تک پہنچایا، ان کے دور کا ایک یادگار کارنامہ دارالعلوم سے مسلم پرسنل لا کی تحریک کا آغاز ہے، ان کے عہد میں دارالعلوم کی شہرت برصغیر سے نکل کر پورے عالم میں پہنچ گئی، تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ قاری صاحبؒ کے دل آویز خطابات نے مسلک دیوبند کے اشاعت اور تقویت میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور مسلک دیوبند پر قلم اُٹھا کر آپ نے دیوبند کی فکر اعتدال کو ایک واضح جہت عطا فرمائی۔

خانوادۂ قاسمی کی اس طویل خدمت کے باوجود دارالعلوم میں قاری صاحبؒ کے علاوہ اس خاندان کے دو ہی افراد نظر آتے تھے، ایک: ان کے بڑے صاحبزادے استاذ گرامی حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم، جو حدیث کے استاذ تھے، ہم لوگوں نے ان سے ابن ماجہ پڑھی اور ان کا یہ درس بہت معروف تھا، وہ اپنے درس میں مسلک اہل سنت اور فکر دیوبند کو بہت تحقیق کے ساتھ اور خوبصورت اُسلوب میں بیان فرماتے تھے، بعد میں وہ بخاری تک پہنچے اور اس کا ایک حصہ ان سے متعلق ہوا، دوسرے صاحبزادہ تھے حضرت مولانا محمد اسلم قاسمیؒ، ان سے

شعبۂ برقی متعلق تھا، اس وقت وہ وضع قطع میں کسی قدر آزاد خیال نظر آتے تھے؛ لیکن اس زمانہ میں بھی لوگ ان کی خوش اخلاقی، خاندانی مروت، بردباری اور زبان و بیان میں حلاوت کے قائل تھے، طلبہ کا عام تأثر تھا کہ وہ طلبہ کے بڑے ہمدرد اور بہی خواہ ہیں۔

ہم لوگ دورۂ حدیث ہی میں تھے کہ دارالعلوم کی شوریٰ نے اجلاس صد سالہ کا فیصلہ کیا، اس کے ذمہ دار ابتداءً مولانا حامد الانصاری غازیؒ ممبئی (مصنف: اسلام کا نظام حکومت) کو بنایا گیا، وہ بڑے قابل اور باصلاحیت آدمی تھے؛ لیکن علمی لیاقت اور انتظامی صلاحیت کا اجتماع کم ہو پاتا ہے؛ چنانچہ مولانا غازی صاحب نے اجلاس صد سالہ کا بہت لمبا اور پھیلا ہوا پروگرام مرتب کرلیا، انھوں نے اپنے اس منصوبہ کو دارالحدیث کے ہال میں اساتذہ اور طلبہ کے سامنے پیش بھی کیا، اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت بہتر منصوبہ تھا، ایسا کہ گویا کوئی بڑا شہر بسایا جارہا ہو؛ لیکن قابل عمل نہیں تھا، بہر حال پھر شوریٰ نے غور وفکر کے بعد یہ ذمہ داری حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ کے کاندھوں پر ڈال دی؛ چنانچہ وہ اس طرح اس کام میں لگے کہ گویا وہ اپنے آپ کو اسی کام میں فنا کردیں گے، نہ دن کا چین، نہ رات کا سکون، نہ خورد ونوش کا خیال، سارے معمولات کو تج کر انھوں نے اس باوقار اور تاریخی اجلاس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا، اخراجات کا انتظام، حکومت سے مطلوبہ سہولتوں کا حصول، ملک میں مختلف طبقات کی نمائندہ شخصیتوں کو دعوت دینا، بیرونِ ملک کی اہم شخصیتوں سے رابطہ، مہمانوں کے قیام کا انتظام، پروگرام کے لئے مناسب جگہ کی فراہمی، اس طرح کے سینکڑوں مسائل تھے، جو اجلاس کے انتظام سے جڑے ہوئے تھے اور مولانا مرحوم ایک انار سو بیمار، کے مصداق ہر کام کو دیکھتے اور ہر مسئلہ کو ناخنِ تدبیر سے حل کرتے تھے؛ لیکن بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ وہ کہیں نظر نہیں آتے تھے، نہ اشتہار میں نہ اسٹیجوں پر، نہ تقریروں میں، اپنے آپ کو پیچھے رکھ کر اور قافلے کے آخری فرد کی طرح چھپا کر وہ سارے کام انجام دیتے رہے، آخر یہ صد سالہ اجلاس ہوا، اور اس شان سے ہوا کہ سیدی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کو میدانِ عرفات کے مشابہ قرار دیا، ابھی سال دو سال پہلے جب دوحہ میں اس حقیر کی ملاقات داعی اسلام شیخ یوسف القرضاوی سے ہوئی تو ان کا تأثر تھا کہ وہ اِس پایہ کے کسی اور اجتماع میں شریک نہیں ہوئے اور آج تک اس کی خوشگوار یادیں ان کے دل ودماغ پر نقش ہیں۔

اجلاس کی اس کامیابی میں بہت نمایاں حصہ مولانا محمد اسلم صاحبؒ کا تھا، افسوس کہ یہی اجلاس ایک ایسے اختلاف کا نقطۂ آغاز بنا کہ دارالعلوم کی تاریخ میں شاید اس سے بڑا کوئی حادثہ پیش نہ آیا ہو، یہ دارالعلوم کی بنیاد رکھنے والوں کے اخلاص اور ان کے جذبۂ للّٰہیت کی طاقت تھی کہ جس نے اس بڑے حادثہ کے بعد بھی دارالعلوم کے اصل کاز کو نقصان سے بچائے رکھا، آہستہ آہستہ ٹوٹے ہوئے دل قریب ہوئے، زخم مندمل ہوئے اور اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ رفتہ رفتہ قربت اور بڑھتی جائے گی اور فاصلے سمٹتے جائیں گے، وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔

بعض دفعہ ایک صلاحیت فطرت میں موجود ہوتی ہے اور وہ وقت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، ماچس میں سلگنے کی صلاحیت پہلے سے موجود ہوتی ہے، ذرا سا گھسنے سے سلگ جاتی ہے، حضرت مولانا اسلم صاحبؒ کے معاملے میں، میں نے اور مجھ جیسے لوگوں نے یہی کیفیت دیکھی، اجلاس صد سالہ کے بعد جو اختلاف پیدا ہوا، اس سے باہر نکلنے کے بعد ہم نے ان کے پیکر میں ایک دوسری شخصیت دیکھی، ایک ایسی شخصیت جو علوم قاسمی کی امین ہے، جو ورع وتقویٰ، شریعت وسنت کی پابندی، رفتار وگفتار اور روز مرہ کے معمولات میں اپنی خاندانی روایات کی حامل ہے، عملی زندگی میں تدین اور احتیاط و پابندی کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب اور باکمال استاذ بھی ان کے اندر چھپا ہوا تھا، جب وہ دار العلوم وقف کی مسند تدریس پر بیٹھے تو کوئی یہ خیال نہیں کرسکتا تھا کہ یہ وہی صاحب ہیں جو شعبۂ برقیات کے ناظم ہوا کرتے تھے، ان کا درس طلبہ کے درمیان بہت مقبول ہوا، میں نے سنا کہ زائد از ضرورت طویل درسی تقریروں سے بچتے تھے اور کتابوں کی مطلوبہ مقدار خواندگی وقت پر مکمل کرتے تھے، صدر مدرس کی حیثیت سے بڑی خوبی کے ساتھ تعلیمی انتظامی اُمور کو بھی انجام دیتے تھے؛ اسی لئے طلبہ میں مقبول تھے اور اُن کے شاگرد اُن کے ثناء خواں رہتے تھے۔

ان کا ادبی ذوق بہت اعلیٰ تھا، ان کا قلم رواں، شستہ اور خوبصورت تھا، سیرت کے موضوع سے خصوصی مناسبت تھی، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق پر رسائل لکھے، ترجمہ اکثر اوقات تصنیف سے بھی مشکل کام ہوتا ہے؛ چوں کہ اس میں مترجم مصنف کے الفاظ کا پابند ہوتا ہے؛ لیکن مولانا کو اس میں بڑی دسترس حاصل تھی، انھوں نے بچوں کے لئے عربی زبان میں لکھی گئی سیرت کی ایک مختصر کتاب کا ترجمہ کیا اور ''سیرت حلبیہ''جیسی معروف کتاب کو اُردو کا قالب عطاء کیا، شعر وسخن کا بڑا اعلیٰ ذوق حضرت قاری صاحبؒ کو بھی تھا، یہ ذوق انھیں بھی میراث میں ملا، وہ عمدہ اور معیاری اشعار کہتے تھے اور 'رمزی' تخلص کرتے تھے، لوگ اپنے کلام کو چھپاتے ہیں اور وہ چھپاتے تھے؛ وہ اس روایت کے پاسدار تھے کہ عام طور پر بزرگوں نے شعر وشاعری کو اپنا مشغلہ بنانے سے اعراض کیا ہے۔

ہم لوگوں نے اپنے پڑھنے کے زمانہ میں کبھی ان کا خطاب نہیں سنا، لوگوں میں یہی تأثر تھا کہ ان کے برادر معظم حضرت الاستاذ دامت برکاتہم ہی اس میدان میں اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر ہیں؛ لیکن بعد میں جب مولانا اسلم صاحبؒ نے تقریر وخطابت کے میدان میں قدم رکھا تو ہر شخص نے محسوس کیا کہ وہ بھی اپنے خاندانی جوہر سے مالا مال ہیں، مجھے بھی کئی جلسوں میں ان کو مدعو کرنے کے لئے واسطہ بننے کی سعادت حاصل ہوئی، میں نے ان کی ایک خوبی یہ دیکھی کہ جس موضوع پر خطاب کرتے، شروع سے آخر تک اسی موضوع پر گفتگو کرتے، عام طور پر مقررین جس طرح اپنے موضوع سے ہٹ جاتے ہیں اور بار بار لمبا سفر طے کرکے پھر اپنے راستے پر واپس آتے ہیں، مولانا کی

یہ کیفیت نہیں تھی، اس حقیر نے ایک سفر میں انھیں المعہد العالی الاسلامی میں محاضرہ کی دعوت دی اور عنوان مقرر کیا: ''تحقیق کی اہمیت اور اس کا طریقہ'' انھوں نے ایک گھنٹہ کے قریب موضوع پر خطبہ دیا اور جو بات کہی، دلیل اور حوالہ کے ساتھ کہی، گفتگو اتنی دلچسپ اور متأثر کن تھی کہ تمام طلبہ اور اساتذہ گوش برآواز تھے، ان کی خطیبانہ صلاحیت کا شہرہ دور دور تک پہنچا، وہ ملک اور بیرونِ ملک خطاب کے لئے مدعو کئے جانے لگے اور جہاں بھی گئے اپنا نقش چھوڑ کر آئے۔

مولانا کی بڑی خصوصیت ان کا تواضع اور تحمل تھا، ان کے اس وصف کی وجہ سے وہ اجلاس صد سالہ سے پہلے بھی اساتذہ، عملہ اور طلبہ کے درمیان محبت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، دیوبند شہر کے لوگ بھی انھیں بہت چاہتے تھے اور ان سے انس محسوس کرتے تھے، یہاں تک کہ جن حضرات نے اجلاس صد سالہ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ سے اختلاف کیا، ان میں بھی بعض لوگ ان کے متعلق اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے، ایک بات حضرت قاری صاحبؒ میں بھی تھی اور استاذ گرامی حضرت مولانا محمد سالم صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ میں بھی ہے، وہ حضرت مولانا اسلم صاحبؒ میں بھی پوری طرح موجود تھی، اور وہ ہے زبان کی حفاظت اور جن لوگوں سے اختلاف ہے، ان کے بارے میں بدگوئی سے پرہیز؛ چنانچہ ان کی مجلس غیبت اور شکوہ وشکایت سے محفوظ ہوتی تھی۔

انھوں نے ۳؍جون ۱۹۳۷ء کو خانوادۂ قاسمی میں اپنی آنکھیں کھولیں، شروع سے دورۂ حدیث تک پوری دینی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے، بخاری شریف کا کچھ حصہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور بقیہ حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحبؒ سے پڑھا، ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم کے ملازم ہوئے، آپ دیوبند کے صدیقی شیوخ میں تھے، ۴۸ویں پشت پر آپ کا نسب مشہور فقیہ قاسم بن محمدؒ کے ذریعہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جاملتا ہے، اِدھر کچھ عرصہ سے خاصے علیل تھے، اس دوران ایک دو بار دیوبند حاضری کا موقع ملا، دارالعلوم وقف کی مجلس مشاورت میں شرکت ہوئی، علالت کی وجہ سے مولانا شرکت نہیں کر پائے، چاہا کہ جا کر عیادت کروں؛ لیکن مولانا کے متعلقین نے بتایا کہ کیفیت ایسی نہیں ہے کہ ملاقات ہو سکے، مسلسل غنودگی کی کیفیت ہے؛ اس لئے ملاقات سے محروم رہا، وفات کے بعد بتایا گیا کہ جگر یا پھیپھڑے کا کینسر ہو گیا تھا، یہ مرض جس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے، وہ محتاجِ اظہار نہیں ہے؛ لیکن معلوم ہوا کہ یہ پورا وقت انھوں نے نہایت صبر وشکر کے ساتھ گذارا، آخر ۱۲؍نومبر ۲۰۱۷ء کو بروز اتوار دوپہر میں گلشنِ قاسمی کا یہ شجر سایہ دار ہمیشہ کے لئے مرجھا گیا، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت کرے اور درجات کو بلند فرمائے۔ آمین

• • •

فتاویٰ

مولانا شاہد علی قاسمی ☆

کیا فرض نماز میں صرف ظہر کی نیت کافی ہے؟

سوال:- کیا نماز ظہر یا کوئی اور فرض پڑھنے کے لئے جب نیت کی جائے تو کیا نیت میں آج کی نماز ظہر یا فرض الوقت کہنا ضروری ہے؟ حسامی کی ایک معروف شرح میں اسی طرح کی بات منقول ہے اور لکھا ہوا ہے کہ جس کے ذمہ ظہر کی نماز قضا ہو اس کے لئے صرف ظہر کی نیت کافی نہیں ہے، تو کیا صرف ظہر کی نیت کرنے سے نماز ظہر فرض وقتیہ ادا نہیں ہوگی؟ (عبداللہ، حکیم پیٹ)

الجواب وباللہ التوفیق:- اگر فرض نماز پڑھ رہا ہو تو اس نماز کی تعیین ضروری ہے؛ کیوں کہ ہر نماز الگ الگ جنس ہے؛ لہٰذا جنس نماز کو متعین کرنے کے لئے تعیین ضروری ہے، اس لئے فرض الوقت کہے یا ظہر الیوم کہے، اگر صرف ظہر کہے تو وقتیہ نماز ظہر ہوگی یا نہیں جب کہ اس کے ذمہ اور بھی نماز ظہر قضاء ہے، تو اس سلسلہ میں قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس نیت سے نماز ظہر فرض ادا نہیں ہوگی، یہی رائے بعض فقہاء کی ہے اور اس قول کی بھی تصحیح ہوئی ہے؛ لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ وقتیہ نماز ظہر اس نیت سے ادا ہو جائے گی اور متعدد فقہاء کا یہی نقطۂ نظر ہے اور اس قول کی بھی تصحیح کی گئی ہے اور یہی استحسان کا تقاضہ ہے؛ کیوں کہ عاقل و بالغ کے کلام کو صحیح محمل پر اُتارنا ممکن ہو تو اسی معنی پر محمول کیا جاتا ہے، امام ابن ہمامؒ، صاحبِ ظہیریہ و صاحبِ معراج اور صاحبِ اشباہ وغیرہ کا یہی نقطہ نظر ہے، علامہ شامیؒ نے اس موقع پر عنایہ کے حوالہ سے بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ اگر اس سے پوچھا جائے تو وہ بلا تامل بول دے کہ میں آج کی نماز ظہر پڑھ رہا ہوں تو پھر صرف ظہر کی نیت بھی کافی ہوگی اور اگر بلا تامل جواب نہ دے سکے تو اس کی نیت کافی نہیں ہوگی، یا دل میں خیال ہو کہ میں آج کی ظہر پڑھ رہا ہوں تو اس قدر نیت کرنا کافی ہے اور یہ بات بھی ضرور ہوتی ہے کہ صرف ظہر کی نیت کرنے والا عام طور پر سمجھتا ہے کہ میں آج ہی کی ظہر پڑھ رہا ہوں، اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ صرف ظہر کی نیت بھی کافی ہے؛ لیکن ایسا کرنا بہتر نہیں ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ''أما إذا لم يقرنه بشيئ بأن نوى الظهر وأطلق ، فإن كان في الوقت ففيه قولان مصححان ، قيل لا يصح لقبول الوقت ظهر يوم آخر ، وقيل يصح لتعين الوقت له ، ومشى عليه في الفتح والمعراج والأشباه واستظهره في العناية ، ثم قال : وأقول الشرط المتقدم ، وهو أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي يحسم مادة هذه المقالات وغيره فإن العمدة عليه لحصول التمييز به وهو المقصود''. (ردالمحتار: ۱/ ۴۱۸)

☆ استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

بہرحال حسامی کی شرح میں جو بات ہے وہ قیاس کے عین مطابق ہے؛ لیکن متعدد فقہاء نے استحسانا صرف ظہر کی نیت کو بھی کافی قرار دیا ہے، اس لئے اس معاملہ میں شدت برتنا درست نہیں ہے، واضح ہو کہ نیت دل کے پختہ ارادہ کا نام ہے، زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

میراث کا ایک اہم مسئلہ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوا اور اس نے ترکہ میں ایک قطعہ زمین پرتی غیر تعمیر شدہ کل رقبہ تقریباً 64 کڑی اور ایک قطعہ مکان مکمل تین منزلہ تعمیر شدہ کل رقبہ 26 کڑی چھوڑا اور ورثہ میں زوجہ، ایک لڑکی اور چار لڑکوں کو چھوڑا، لڑکی بھائیوں کے حق میں اپنے حصہ سے دستبردار ہو چکی ہے، اب مذکورہ بالا جائداد کی تقسیم زوجہ اور چار لڑکوں کے درمیان حسب شرع کس طرح ہوگی اور ہر ایک کا حصہ کتنا کتنا ہوگا؟ واضح ہو کہ تعمیر شدہ زمین چوں کہ آبادی کے درمیان ہے اس لئے پرتی زمین کے مقابلہ اس کی قیمت کئی گنا زیادہ ہے، تفصیل سے تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ (محمد احتشام غفرلہ، مئوناتھ بھنجن)

الجواب وباللہ التوفیق:- اگر زید کی لڑکی بہ رضاء ورغبت وبلا جبر واکراہ اپنے حق سے دستبردار ہوگئی تو اس بات کی گنجائش ہے کہ زید کے ترکہ میں اس کا حصہ نہ لگایا جائے، موجودہ وارثین کے درمیان زید کا ترکہ تقسیم کرتے ہوئے زید کا جملہ ترکہ 32 حصوں میں کیا جائے گا، جن میں بیوہ کو آٹھواں حصہ یعنی ساڑھے بارہ فیصد یعنی 32 میں سے چار حصے ملیں گے اور باقی 28 حصے چاروں لڑکوں کو برابر برابر یعنی فی کس سات سات حصے ملیں گے، جو فیصد کے اعتبار سے ہر ایک بیٹا کے لئے 21.87% ہوتا ہے۔

چوں کہ دونوں قطعہ اراضی کی مالیت الگ الگ ہے، اس لئے بہتر ہوگا کہ دونوں قطعہ اراضی کو الگ الگ تقسیم کیا جائے؛ چنانچہ 64 کڑی والی زمین میں بیوہ کو 8 کڑی ملے گی اور چاروں لڑکوں کو فی کس چودہ چودہ کڑی ملے گی — مکان والی زمین کی تقسیم کی ایک صورت یہ ہے کہ چند ماہرین کی موجودگی میں مکان کی قیمت لگائی جائے، پھر بیوی کے ساڑھے بارہ فیصد اور ہر لڑکا کے 21.87% حصہ کے اعتبار سے ہر وارث کا جتنا روپیہ بیٹھے اسی حساب سے مکان کے حصے لگائے جائیں اور ہر وارث کو وہ حصہ دے دیا جائے، اگر وارثین کے درمیان اختلاف ہو اور بعض وارث مخصوص کمرے لینے پر مصر ہوں تو قرعہ اندازی کر لی جائے۔

اگر مکان سب کے لئے کافی نہ ہو اور بعض وارث اس گھر سے نکل جانا چاہتا ہو تو یہ بھی درست ہے، ایسی صورت میں مکان لینے والا نکل جانے والے وارث کو اس کا حصہ روپیہ کی شکل میں دیدے یا اُفتادہ زمین کا اپنا حصہ اسے اتنا دیدے کہ اس کے حصہ کی مکمل ادائے گی ہو جائے، اگر اس سے بھی نکل جانے والے وارث کا حصہ مکمل نہ ہو تو باقی کو رقم کی شکل میں دیدے، واضح ہو کہ تقسیم میراث کرتے ہوئے وارثین کا آپسی رضامندی سے کچھ کمی یا بیشی کے ساتھ ترکہ بانٹنا بھی درست ہے۔

• • •

خبرنامہ
المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

مولانا عبید اختر رحمانی☆

● رمضان المبارک کی تعطیلات کے بعد ۱۲؍شوال ۱۴۳۸ھ، مطابق ۷؍جولائی ۲۰۱۷ء سے داخلہ کی کارروائی شروع ہوئی اور داخلہ کے خواہشمند طلبہ کا تحریری اور تقریری امتحان ہوا، امتحان میں کامیاب ہونے والے طلبہ کے داخلے حسبِ ذیل تفصیلات کے مطابق منظور کئے گئے :

(۱)	تخصص فی علوم النصوص (قرآن وحدیث اول)	:	۱۴
(۲)	تخصص فی علوم النصوص (قرآن وحدیث دوم)	:	۴
(۳)	تخصص فی الفقہ (سال اول)	:	۷۳
(۴)	تخصص فی الفقہ (سالِ دوم)	:	۱۱
(۵)	شعبۂ انگریزی (سال اول)	:	۲۸
(۶)	شعبۂ انگریزی (سال دوم)	:	۱۹
(۷)	شعبۂ مطالعہ مذاہب	:	۳

● ۲۵-۲۷؍شوال ۱۴۳۸ھ، مطابق : ۲۰-۲۲؍جولائی ۲۰۱۷ء کو ہر سال کے معمول کے مطابق حسب ذیل عناوین پر اساتذہ کرام کے محاضرات ہوئے :

قرآن مجید کی جمع وتدوین	:	مولانا اشرف علی قاسمی
حدیث کی تدوین اور تخریج حدیث کے اُصول	:	مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی
فقہ اسلامی - تعارف وتدوین	:	مولانا شاہد علی قاسمی
اُصولِ فقہ اور قواعد فقہ - تدوین وتاریخ	:	مولانا محمد اعظم ندوی

☆ رفیق شعبۂ تحقیق: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

اس سلسلے کا اختتام حضرت مولانا رحمانی صاحب کے خطاب پر ہوا، جس میں علم کی اہمیت، مطالعہ کا طریقہ اور علمی موضوعات پر لکھنے کے اُصول وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی۔

● ۲/ذوالقعدہ ۱۴۳۸ھ، مطابق ۲۶/جولائی کو شیخ طریقت حضرت مولانا منیر احمد صاحب تشریف لائے، مولانا کا اصلاحی وتربیتی خطاب ہوا، اس موقع پر ناظم صاحب نے بھی علم کی فضیلت واہمیت اور اس کے لئے مطلوب جذبہ وعمل کے بارے میں گفتگو کی۔

● ۹-۱۱/شوال ۱۴۳۸ھ، مطابق ۴-۶/جولائی ۲۰۱۷ء کو معہد کی طرف سے بہار کے علاقہ سیمانچل اور مغربی بنگال کے ضلع مالدہ میں فتنہ ارتداد کے پس منظر میں پروگرام رکھے گئے، ۴/جولائی کو چانچول (مالدہ) میں علماء اور علاقہ کی ذمہ دار شخصیتوں کا ایک روزہ پروگرام منعقد ہوا، جس میں فتنۂ قادیانیت کی سنگینی اور اس سلسلہ میں علماء کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی گئی، ۱۰-۱۱ شوال، مطابق ۶-۷/جولائی جامعہ امدادیہ مادھے پور (کشن گنج) میں دوروزہ تربیتی ورکشاپ منعقد ہوا، جس میں پورنیہ، کٹیہار، کشن گنج اور ارریا سے منتخب علماء کو دعوت دی گئی اور بڑی تعداد میں علماء نے اس پروگرام میں شرکت کی، بحیثیت مربی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا شاہ عالم گورکھپوری، مولانا انصار اللہ قاسمی (استاذ معہد) اور بعض دیگر حضرات کے محاضرے ہوئے، پھر حضرت مولانا رحمانی صاحب کی کوششوں سے علاقہ کے کئی مدارس میں مبلغین کا تقرر ہوا، جن کو معہد میں تربیت دی گئی تھی، بحمداللہ اس کے بہتر اثرات مرتب ہوئے، مفتی منصور صاحب مظاہری نے اس پروگرام کی میزبانی کی، خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور شرکاء کے لئے ضیافت کا بہترین نظم فرمایا۔

● ۲۱-۲۲/شوال ۱۴۳۸ھ، مطابق ۱۶-۱۷/جولائی ۲۰۱۷ء کو حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے گلبرگہ کا دوروزہ سفر کیا، جس میں وہاں اصلاحی اور دعوتی خطاب فرمایا۔

● ۲۵/شوال ۱۴۳۸ھ، مطابق ۲۰/جولائی ۲۰۱۷ء کو حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ممبئی تشریف لے گئے اور وہاں آپ کا اصلاحی خطاب ہوا۔

● ۲۲/ذوالقعدہ ۱۴۳۸ھ، مطابق ۱۵/اگست ۲۰۱۷ء کو یوم آزادی کی مناسبت سے معہد میں پروگرام منعقد ہوا، جس میں طلبہ نے جوش وخروش سے حصہ لیا اور پرچم لہرانے کے بعد حضرت مولانا نے آزادی کی اہمیت، آزادی کی لڑائی میں مسلمانوں کا حصہ، ملک کی موجودہ صورت حال اور مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل پر خطاب کیا۔

● ۱۵/محرالحرام ۱۴۳۹ھ، مطابق ۶/اکتوبر ۲۰۱۷ء کو حضرت مولانا رحمانی صاحب کا بنگلور کا سفر ہوا، جس میں آپ نے وہاں کے مؤقر ادارہ مدرسہ مسیح العلوم کے پروگرام میں شرکت کی اور مدارس کے نصاب ونظام میں عصری علوم کی شمولیت کا متوازن طریقہ اور اس کے مثبت ومنفی اثرات پر تفصیلی خطاب فرمایا۔

● ۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۹ھ، مطابق ۱۴؍اکتوبر ۲۰۱۷ء کو شعبہ انگریزی کے طلبہ کا پہلا Elocution Competition منعقد ہوا، اس پروگرام میں ۳۸ طلبہ نے حصہ لیا، ان ۳۸ میں سے ۹ طلبہ فائنل میں پہنچے، اس پروگرام کی صدارت مفتی اشرف علی صاحب قاسمی نے فرمائی اور نظامت معہد کے فقہ دوم کے طالب علم محمد سہیل نے انجام دی اور حکم کا فریضہ مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا انظر قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، اساتذہ معہد نے نبھایا۔

اس پروگرام کا آخری مرحلہ اگلے دن ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۳۹ھ، مطابق ۱۵؍اکتوبر ۲۰۱۷ء کو حضرت ناظم صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، نظامت مولانا انظر قاسمی نے کی، حکم کا فریضہ مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی، سید محمد صاحب (نمائندہ ٹائمس آف انڈیا)، حافظ عبدالقدیر (اسوسی ایٹ ڈائریکٹر ایم ایس گروپ) اور مہمان خصوصی مولانا محمد رفیق قاسمی (مانو) نے ادا کیا، نتائج کا اعلان اور کلماتِ تشکر مولانا ناظر انور قاسمی نے کہے، اس سیشن میں کل ۹؍طلبہ نے حصہ لیا، جن میں اول پوزیشن محمد جنید خان نے حاصل کی، جب کہ دوم اور سوم مقام محمد اسلم اور محمد شاہ نے حاصل کیا، پروگرام کے صدر محترم نے بیش قیمت صدارتی خطاب فرمایا اور کامیاب ہونے والوں کو صدر محترم اور دیگر اساتذہ کرام کے ہاتھوں انعامات بھی دیئے گئے۔

● ۲۵؍محرم الحرام ۱۴۳۹ھ، مطابق ۱۶؍اکتوبر ۲۰۱۷ء کو المعہد العالی الاسلامی میں دعوہ تربیتی کیمپ کا انعقاد ہوا، جس میں مشہور داعی جناب انجم فراز صاحب ایم اے اور جناب شکیل احمد صاحب (دعوت و پیامِ انسانیت لکھنؤ) شریک ہوئے، جناب فراز انجم صاحب نے بدھ مت پر محاضرہ دیا اور جناب شکیل احمد صاحب نے ہندو مت کی تفصیل سے طلبہ کو واقف کرایا۔

● ۱۰؍صفر المظفر ۱۴۳۹ھ، مطابق ۳۱؍اکتوبر ۲۰۱۷ء کو طلبہ المعہد العالی الاسلامی نے حمدیہ بزم کی جانب سے پروگرام منعقد ہوا، جس میں طلبہ اور اساتذۂ معہد نے پورے جوش وخروش اور عقیدت سے حصہ لیا، معہد کے طلبہ کے علاوہ اس پروگرام میں معہد کی شاخ ''مدرسہ عبداللہ بن مسعودؓ'' کے طلبہ نے بھی حصہ لیا، اس پروگرام میں معہد کے اساتذہ میں سے مولانا اشرف علی قاسمی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی نے بھی حمد ومناجات سے سامعین اور شرکاء میں عقیدت کی لو کو تیز کیا، حضرت ناظم صاحب نے اس پروگرام کی صدارت فرمائی اور حمد ومناجات پر بیش قیمت خطاب فرمایا۔

● ۱۱؍صفر المظفر ۱۴۳۹ھ، مطابق ۱؍نومبر ۲۰۱۷ء کو المعہد العالی الاسلامی میں طلبہ کا پروگرام بعد نماز مغرب ''اسلام کا نظامِ سیاست'' کے موضوع پر منعقد ہوا، طلبہ نے موضوع کے مختلف پہلوؤں پر مدلل تقریر کی، حضرت ناظم صاحب بھی پروگرام میں شریک رہے اور آپ کا صدارتی خطاب ہوا، جو ایک جانب موضوع سے متعلق تھا تو دوسری جانب طلبہ کی حوصلہ افزائی اور انھیں خوب سے خوب تر کی ترغیب پر مشتمل تھا۔

● ۲-۷ ؍ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، مطابق ۲۳-۲۷ ؍نومبر ۲۰۱۷ء کو ممبئی میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا ستائیسواں فقہی سیمینار منعقد ہوا، اکیڈمی کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنی علالت کے باوجود پوری سرگرمی کے ساتھ سیمینار کی نگرانی کی اور پرمغز کلیدی خطبہ پیش کیا، سیمینار میں معہد کے دو اساتذہ مولانا شاہد علی قاسمی جنھوں نے سیمینار کے لئے مقالہ بھی لکھا تھا اور مولانا محمد اعظم ندوی نے بھی شرکت کی۔

● ۹ ؍ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، مطابق: ۲۹ ؍نومبر ۲۰۱۷ء کو المعہد العالی الاسلامی میں ہر سال کی طرح نعت نبی ﷺ کا پروگرام منعقد ہوا، جس میں طلبہ نے جوش وخروش سے حصہ لیا، حضرت ناظم صاحب نے اس پروگرام کی سرپرستی فرماتے ہوئے صدارتی خطاب میں نعت نبی کی اہمیت ونزاکت اور فداہ ابی واُمی (ﷺ) سے ہمارے تعلق کی اہمیت پر بصیرت افروز خطاب فرمایا، مدرسہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے طلبہ نے بھی حصہ لیا اور شہر کے معززین وعمائدین نے بھی بڑی تعداد میں اس پروگرام میں شرکت کی۔

● ۷ ؍ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، مطابق ۲۷ ؍نومبر ۲۰۱۷ء کو بنگلہ دیش کے معروف عالم دین اور محدث شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ کے فیض یافتہ مولانا عبد المالک صاحب (بنگلہ دیش) نے طلبۂ معہد کو ''جدید فقہی اُصول ونظریات'' کے موضوع پر بڑا اہم اور وقیع محاضرہ دیا۔

● ۱۳ ؍ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، مطابق ۳ ؍دسمبر ۲۰۱۷ء کو جناب ڈاکٹر سراج اظہر صاحب (امریکہ) کی المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد تشریف آوری ہوئی، آپ نے تعلیم کے جدید نظریات اور تعلیم کی سائنس کے موضوع پر طلبہ سے خطاب کیا۔

● ۹-۱۰ ؍ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ، مطابق ۹-۱۰ ؍جنوری ۲۰۱۸ء کو مولانا عبد الحمید نعمانی (دہلی) کا دوروزہ محاضرہ ہوا، جس میں آپ نے ہندومت، اہم ہندو مفکرین، آر ایس ایس وغیرہ موضوعات پر طلبہ کے سامنے چشم کشا معلومات پیش کیں۔

● ۲۹ ؍ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ، مطابق ۱۷ ؍جنوری ۲۰۱۸ء کو مولانا شاہ فضل الرحیم مجددی، مولانا عتیق احمد بستوی اور مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی نے المعہد العالی الاسلامی کے طلبہ سے خطاب کیا، جو کہ ایک خاص مناسبت سے حیدرآباد تشریف لائے تھے۔

● یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ، مطابق ۲۰ ؍جنوری ۲۰۱۸ء کو مولانا رشید احمد فریدی صاحب (گجرات) کا المعہد العالی الاسلامی میں ''قرآن مجید کے رسم عثمانی'' کے اہم موضوع پر محاضرہ ہوا۔

● ۲ ؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ، مطابق: ۲۱ ؍جنوری ۲۰۱۸ء کو مولانا عبد الہادی صاحب سابق استاذ مظاہر

علوم سہارنپور نے ''نحو وصرف کے طریقۂ تعلیم وتدریس'' کے موضوع پر المعہد العالی الاسلامی میں بعد نماز مغرب بہت مفید محاضرہ دیا۔

● اس عرصہ میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے مختلف اوقات میں درج ذیل موضوعات پر محاضرے دیئے :

● ۱۳-۱۴/ربیع الثانی ۱۱۴۳۹ھ، مطابق ۱-۲/جنوری ۲۰۱۸ء، تحویل حقیقت سے مراد اور طہارت ونجاست اور حلت وحرمت پر اس کے اثرات پر محاضرہ دیا۔

● ۱۵/ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ، مطابق ۳/جنوری ۲۰۱۸ء کو حضرت مولانا نے طلاقِ ثلاثہ سے متعلق حالیہ قانون اور اس کے مضمرات پر محاضرہ دیا۔

● ۲۸-۲۹/ذوالقعدہ ۱۴۳۸ھ، مطابق ۲۰-۲۱/اگست ۲۰۱۷ء کو حضرت مولانا رحمانی نے حدیث کو قبول کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں فقہائے عراق کے اُصول کے اہم موضوع پر محاضرہ دیا۔

● ۲۹/ذوالقعدہ ۱۴۳۸ھ، مطابق ۲۲/اگست ۲۰۱۷ء کو حضرت ناظم صاحب نے حج کے نئے مسائل کے موضوع پر محاضرہ دیا۔

● یکم ذوالقعدہ ۱۴۳۸ھ، مطابق ۲۵/جولائی ۲۰۱۷ء کو اعتقادی وفقہی اختلاف اور اختلاف کے آداب پر محاضرہ دیا۔

● ۲۸/ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ، مطابق ۱۶/جنوری ۲۰۱۸ء کو شعبہ انگریزی کے طلبہ کا دوسرا Elocution Competition کا پروگرام منعقد ہوا، اس پروگرام میں شعبۂ انگریزی کے کل ۳۴ طلبہ نے حصہ لیا، اس پروگرام کے پہلے مرحلے کی صدارت مفتی شاہد علی قاسمی نے فرمائی، جب کہ نظامت محمد ارشد قاسمی نے کی، حَکَم کا فریضہ مولانا برہان الدین قاسمی (ڈائریکٹر: مرکز المعارف ممبئی)، مولانا عبدالمالک قاسمی (صدر شعبۂ تصنیف وتالیف: مرکز المعارف آسام)، ڈاکٹر رضی قاسمی (ڈائریکٹر اسکول گروپ: مرکز المعارف آسام) نے انجام دیا، مہمان خصوصی مفتی عبدالغفور صاحب قاسمی (صدر شعبۂ دینیات: مرکز المعارف آسام) اور مہمانِ اعزازی جناب حسین احمد (پرنسپل: مرکز اکیڈمی آسام) تھے، ۳۴ طلبہ میں ۱۰ طلبہ اگلے قطعی مرحلہ کے لئے کامیاب ہوئے۔

● ۳۰/ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ، مطابق ۱۸/جنوری ۲۰۱۸ء کو Elocution Competition پروگرام کے آخری مرحلہ کا پروگرام منعقد ہوا، اس پروگرام کی صدارت حضرت ناظم صاحب نے فرمائی، نظامت مولانا ناظر انور قاسمی نے کی اور حَکَم جناب نعیم اللہ خان صاحب، جناب عبدالبصیر صاحب، جناب ظفر اقبال صاحب (ڈائریکٹر: سن

ایڈکوآف ایم ایس گروپ آف اسکولس) تھے، اس سیشن میں کل دس طلبہ شریک تھے، جن میں سے شاہ رخ رستم پرویز اور محمد جنید خان نے بالترتیب اول، دوم، سوم پوزیشن حاصل کی، کامیاب طلبہ کو صدر محترم، حکم اور اساتذہ کے ہاتھوں انعامات سے نوازا گیا، صدر محترم نے اس موقع پر بصیرت افروز خطاب بھی فرمایا۔

● گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی معہد کا دیدہ زیب کیلنڈر شائع ہوا، اس سال یہ کیلنڈر حدیث کے موضوع پر طبع ہوا ہے، جسے مولانا عبید اختر رحمانی (انچارج شعبۂ تحقیق) نے مرتب کیا ہے۔

● معہد میں بہت دنوں سے اسٹاف کوارٹر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی؛ لیکن وسائل کے نہ ہونے سے یہ کام نہیں ہو پارہا تھا، اللہ کے بھروسہ ایک سال پہلے یہ کام شروع کیا گیا؛ چنانچہ اس وقت دو اسٹاف کوارٹر تکمیل کے قریب ہیں، اللہ تعالیٰ جلد سے جلد اسے مکمل فرمادے۔

● معہد کے طلبہ کو ضروری سائنسی معلومات فراہم کرنے اور مسلمان سائنس دانوں کے کارناموں سے واقف کرانے کی غرض سے ناظم معہد کا خواب تھا کہ ایک مناسب لیب تیار کیا جائے؛ چنانچہ اس وقت تقریباً پچاس فٹ لمبے اور بائیس فٹ چوڑے ہال میں اس لیب کی تیاری کا کام چل رہا ہے، اس میں چارٹ اور ماڈیول کے ذریعہ طلبہ کو ضروری سائنسی معلومات، مسلم سائنسدانوں کے کارناموں اور وطن عزیز ہندوستان میں مسلم عہد کی ترقیات سے روشناس کرایا جائے گا، انشاء اللہ طلبہ کی فکری ترقی میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔

● ● ●

شمارہ نمبر: ۱۱، جنوری — مارچ ۲۰۱۸ء

المعہد العالی الاسلامی کی فکر اور اس کا مسلک

- اہل سنت والجماعت کے معتبر شارحین کی آراء پر استقامت۔
- اشاعرہ، ماتریدیہ اور حنابلہ تینوں مکاتبِ فکر کا احترام۔
- عقیدۂ توحید میں ان تشریحات کی پابندی جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اختیار فرمائی ہے۔
- سلفِ صالحین کے درمیان اعتقادی و فروعی مسائل میں جو اختلاف رائے رہا ہے، اس میں توسع اور ولی اللّٰہی طرز فکر کی پیروی۔
- اہل قبلہ میں سے کسی گروہ کو کافر یا فاسق قرار دینے میں خوب احتیاط۔
- مخالف نقطۂ نظر کے مقابلہ میں تحمل، اختلاف رائے کے باوجود احترام اور ملت کے مشترکہ مسائل کے لئے اشتراک۔
- علومِ ظاہری کے ساتھ ساتھ تزکیہ و احسان کی جامعیت۔
- برادرانِ وطن میں دعوتِ دین اور دفاعِ اسلام کی طرف خصوصی توجہ۔
- زبان و بیان اور سلوک و رویہ میں اعتدال۔
- مناظرہ اور طنز و تشنیع کی بجائے نصح و محبت کے ساتھ اصلاح و دعوت۔

• • •

Al- Alam Urdu Computers Hyd. +91 9959897621

RNI No: 1219775, RNI Tile-Code: APURD01946